تلاشِ حق

تالیف

امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی

ترجمہ

خالد حسن قادری

محکمۂ اوقاف ، پنجاب

لاہور

۱۹۷۱ء

طبع اول : جون ۱۹۷۱ء

تعداد اشاعت : تین ہزار

قیمت : تین روپے

ناشر : شعبۂ تعلیم و مطبوعات ، محکمہ اوقاف پنجاب ، لاہور

طابع : عبیدالحق ندوی

مطبع : المکتبۃ العلمیہ پریس
۱۵ - لیک روڈ ، لاہور

فہرست

پیش لفظ

تلاشِ حق میں امام غزالی کو اسی حالت کا سامنا کرنا پڑا جس سے ان جیسے دوسرے عبقری آدمیوں کو واسطہ پڑا ہے ۔ چنانچہ حقیقت کے بارے میں جسے عام آدمی امر واقعی تصور کرتا ہے ، غزالی کے دل میں شک و شبہ کے کانٹے چبھے ۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ظاہری علوم اور زندگی کی شان و شوکت انہیں سکونِ قلب عطا کرنے میں ناکام رہی ہے ۔ تو وہ دنیاوی منصب سے کنارہ کش ہو گئے ۔

تلاشِ حق میں غزالی نے فلسفہ ، علم کلام اور اہل باطن کا لٹریچر پڑا ۔ لیکن ان کی روح کو قرار نہ ملا ۔ آخر وہ صوفیہ کی طرف متوجہ ہوئے جہاں انہوں نے ایک لمبی اور پر مشقت جد و جہد کے بعد اپنی متاع گم گشتہ کو پا لیا ۔ روحانی سفر سے واپسی پر غزالی نے اپنے ذہنی قلق و اضطراب کی داستان کو اپنی مشہور کتاب : المنقذ میں لکھا ۔ اس طرح سے انہوں نے ان لوگوں کی راہ کو روشن کر دیا جو تلاش حق میں سرگرداں ہیں اور جو ظاہری علم کو انسانی فکر و ادراک کا منتہائے نظر نہیں گردانتے ۔

غزالی کی رائے یہ ہے کہ ہر چند اس کائنات میں عقل کی بادشاہی ہے ، لیکن وہ اکیلی حق کا سراغ نہیں پا سکتی ۔ زندگی میں ایسے حقائق موجود ہیں جن کا ادراک صرف انسانی وجدان اور صوفیانہ ذوق ہی کر سکتا ہے اور یہ صوفیانہ ذوق خدائی عطیہ ہے جس سے خدا جسے چاہے ، نوازتا ہے ۔ چنانچہ غزالی کی نظر میں زندگی میں صوفیانہ ذوق کی جولان گاہ ایسا مقام ہوتا ہے جہاں پر عقل کی رسائی نہیں ، ہم کیونکر صوفیانہ ذوق کو جھٹلا سکتے ہیں ؟ جب کہ جانتے ہیں کہ عقل بعض اوقات ان چیزوں کو

جھٹلاتی ہے جن کا ادراک حواس خمسہ نے عالم محسوسات میں کیا تھا ۔ اسی طرح یہاں پر یقیناً ایسے مقامات بھی ہیں جہاں پر انسانی وجدان عقل کی تکذیب کرتا ہے ۔ اور اس میں اچھنبے کی کوئی بات نہیں[1] ۔

غزالی نے المنقذ میں فلسفیوں اور اہل کلام کی کمزوریوں کی نشاندہی کی ۔ اور وسعت مطالعہ ، بصیرت اور ذاتی تجربے کی بناء پر اپنے خیالات اور جذبات کو بیان کرنے میں انتہائی کامیاب رہے ۔ ہر چند کہ ان کے بعض دلائل جو انھوں نے فلسفہ پڑھنے کے خلاف دیے ہیں ، کمزور ہیں ۔

یہ کتاب اس لحاظ سے یقیناً بڑی ہی مہم ہے کہ اس میں ہمیں غزالی کی فکری اور قلبی زندگی کی داستان ملتی ہے ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حق کی تلاش میں انسان نے اب تک جو روحانی جد و جہد کی ہے ، اس کی داستان ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے ۔ اس لیے کہ حق کی تلاش اور زندگی کے انجام پر غور و فکر کرنا ایک فطری امر ہے جو کسی خاص علاقے یا قوم کے ساتھ وابستہ نہیں ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہم غزالی کی تحریروں اور مشہور قدیس اوغسطین کے ''اعترافات'' میں مماثلت پاتے ہیں ۔ دونوں نے شک کے نقطہ سے سفر شروع کیا اور پھر نور الٰہی جس سے خدا نے ان کے دلوں کو منور کیا تھا ، سے معرفت پائی[2] ۔ زمانہ حاضر میں ہم تالستائی کے ''اعترافات'' میں بھی وہی کچھ دیکھتے ہیں جو پہلوؤں سے اس بارے میں مروی ہے ۔ تالستائی نے بھی اپنا سفر تشکیک سے شروع کیا ، اور آخر میں چرچ اور ان تمام عقائد سے دستبردار ہو گئے ، جو انہیں ورثے میں ملے تھے ۔ چرچ نے از سر نو ان پر فتح حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی ، چنانچہ ایک پادری تالستائی کے پاس اس وقت گیا جب وہ آخری دموں پر تھے تاکہ وہ اپنے خیالات سے دستبردار ہو جائیں

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو ، تلاش حق صفحہ ٦-٨ ۔

۲ ۔ ایضاً ، صفحہ ٨ ، ٩ ۔
نیز دیکھیے St. Augustine's Cofessions

لیکن تالستائی نے یہ کہہ کر ان سے ملنے سے انکار کر دیا کہ ہمارے ساتھی کو اتنا بھی علم نہیں کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں ۔

غزالی اور تالستائی میں ایک فرق یہ ہے کہ غزالی نے اپنی ذاتی سعادت کے لیے دنیا کو چھوڑا اور آخرت کے خوف نے اس ترک دنیا میں ایک اہم کردار ادا کیا ۔ اور جب آپ نے معرفت کو پا لیا تب بھی آپ معروف مذہبی عقاید سے یک قدم الگ نہیں ہوئے ۔ اس کے برعکس تالستائی نے کھل کر یہ اعلان کیا کہ چرچ کے عقائد بالکل بے بنیاد ہیں ۔

تالستائی کی نئی زندگی میں ان کے گرد و پیش نے جس میں ظلم و ستم کا ہر طرف دور دورہ تھا ، بنیادی کردار ادا کیا ہے ۔ اس لیے یہ بات ہمارے لئے موجبِ حیرت نہیں ہے کہ وہ خارجی حالات کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہا کہ : اگر انسان اپنے لیے جیتا ہے تو زندگی ایک المیہ ہے لیکن جب وہ دوسروں کے لیے جیتا ہے تو زندگی ایک رحمت ہے'' ۔ غزالی اور تالستائی میں زمانے کا بعد ہے ۔ اس لیے دونوں کی طرز تفکیر میں قدرے اختلاف پایا جانا ضروری ہے[1] ۔

غزالی کی اس کتاب کا ترجمہ ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر خالد حسن قادری نے کیا ہے ۔ ڈاکٹر خالد حسن قادری لندن یونیورسٹی میں اردو کے لیکچرار ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو خدا نے علم ، عمل اور عقل کے ساتھ ساتھ درد دل بھی عطا کیا ہے ۔ قادری صاحب اپنی گوناں گوں مصروفیات کی بناء پر اس کتاب کے آخری چند صفحوں کا ترجمہ نہ کر سکے[2] ۔ چنانچہ آخری صفحوں

---

۱ - دیکھیے (Tolstoy, Cofession, What I Believe. A., Maude's Translation, Oxford, 1961. Introduction),

۲ - ڈاکٹر موصوف نے ترجمہ کرتے وقت سابقہ انگریزی اور اردو ترجموں کو بھی سامنے رکھا ہے ، آج سے ۸۰ سال پہلے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کا ترجمہ پروفیسر محمد سرور مدیر المعارف کے قلم سے ہے[1] - چونکہ ہم نے یہی کتاب اصل عربی زبان میں بھی شائع کی ہے ، جہاں پر ہم نے اس کتاب میں آنے والی حدیثوں کی پوری طرح سے نشاندہی کی ہے - سو اردو پڑھنے والے حضرات مزید تحقیق کے لیے عربی متن کے حواشی کی طرف رجوع کر سکتے ہیں -

جون ۱۹۷۱ء — رشید احمد

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

۱۳۰۶ھ میں ''مھدن صوفی ازم سوسائٹی'' نے امرتسر سے اس کتاب کا ترجمہ شائع کیا تھا جو ایک درویش منش انسان ابو ذاکر علی رہتکی کے قلم سے تھا - یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ حالیہ رواں دواں اور شگفتہ ترجمہ بھی ایک درویش صفت انسان ہی کے قلم سے ہے -

۱ - ص ۲۷ سطر ۷ -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

تمام تعریفیں اس اللہ تعالی کے شایانِ شان ہیں جس کی ثناء سے ہر رسالہ اور مقالہ شروع کیا جاتا ہے ۔ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو جو صاحب نبوت و رسالت ہیں اور آپ کے آل و اصحاب پر جو گمراہی سے نجات دینے والے ہیں ۔ امابعد اے دینی بھائی ! آپ پر واضح ہو کہ آپ نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں آپ کو علوم کی غایت اور اُن کے اسرار بتاؤں اور مذہب کی پیچیدگیاں سمجھاؤں ، اور میں آپ کے سامنے اُن مصائب اور دشواریوں کا ذکر کروں جو میں نے مختلف و متقابل طریقوں اور فرقوں کے متضاد دعووں میں سے امر حق اور سچی بات کو ڈھونڈ نکالنے میں اُٹھائیں ۔ اس جرأت کا بھی ذکر کروں جو میں نے کورانہ تقلید کے گڑھے سے نکل کر حصولِ بصیرت کے اوج کمال تک پہنچنے میں کی اور وہ فوائد بھی بیان کروں جو ابتدا میں ، میں نے علم کلام سے حاصل کئے اور پھر وہ مطالب و مضامین آپ کے سامنے ظاہر کروں جو اہل تعلیم[1] سے حاصل کئے تھے جو حق کو دریافت کرنے سے قاصر رہے (کیوں کہ اس کے لیے وہ کسی امام کی پیروی لازمی سمجھتے ہیں) اور بعد ازاں مذاہب فلاسفہ کا ذکر کروں جن کو میں برا ثابت کر چکا ہوں اور اس کے بعد طریق تصوف بیان کروں جس کو میں پسند کرتا ہوں اور حق و راستی کے اُن آثار و علامات کا تذکرہ کروں جو مجھے اس وقت حاصل ہوئے جب میں عوام کے معتقدات کی گہرائیوں میں امور حقہ کو تلاش کر رہا تھا اور یہ بھی بیان کروں کہ میں ابتداءً بغداد میں بہت سے طلبہ کو پڑھاتا تھا

---

۱ - اہلِ تعلیم: باطنیہ اور اسماعیلیہ -

پھر اسے کیوں چھوڑا ، اور پھر ایک مدت کے بعد نیشاپور واپسی کے کیا اسباب محرک ہوئے ۔

یہ معلوم کرنے کے بعد کہ آپ کی یہ خواہش سچی ہے ، میں اسے پورا کرتا ہوں اور اس بیان میں، میں اللہ سے مدد اور توفیق چاہتا ہوں اسی پر میرا توکل ہے اور اسی سے میری التجا ہے (کہ اس کام کو پورا کرے) ۔

صاحبو ! اللہ تعالی آپ کو راہ راست دکھائے اور حق بات کی قبولیت کے لیے آپ کے دلوں میں نرمی پیدا کر دے ۔ آپ کو معلوم ہو کہ خلق میں جو بہت سے دین اور ملتیں ہیں اور پھر امت محمدیؐ میں جو بہت سے مذاہب اور بہت سے فرقے ہیں ، یہ اختلاف اور تفرقہ ایک ایسا بحر عمیق ہے کہ اکثر لوگ اس میں غرق ہوئے اور بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اس سے نجات پائی ۔ ہر ایک فرقہ بزعم خود اپنے آپ کو نجات پانے والا سمجھتا ہے ۔ ''ہر گروہ کو جو کچھ حاصل ہے وہ اسی میں خوش ہے''[1] ۔ یہی تفرقہ ہے جس کی بابت مخبر صادق حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر صداقت اثر دی تھی کہ : میری اُمت میں تہتر فرقے ہوں گے اور ان میں سے نجات پانے والا فرقہ ایک ہی ہوگا[2] ۔ پس قریب ہے کہ جو کچھ آپؐ نے فرمایا تھا وہی ظہور میں آئے ۔ میں ابتدائی ایامِ شباب سے لے کر جب کہ میری عمر بیس برس سے بھی کم تھی اور اس وقت جب کہ میرا سن پچاس سے کچھ زیادہ ہے ، ہمیشہ اسی بحر عمیق میں غوطہ زنی کرتا رہا ۔ لیکن اس بحر ذخار میں میری غوطہ زنی بزدل آدمی کی سی نہ تھی بلکہ دلیر اور جری مرد کی سی تھی ۔ میں ہر اندھیری جگہ میں گھس کر دیکھتا بھالتا ، ہر مشکل مسئلہ پر غور و خوض کرتا ، ہر بھنور میں جا گھستا اور ہر فرقہ کے عقیدے کی چھان بین کرتا تھا ۔ میں نے ہر گروہ کے مذہبی اسرار و رموز کو واشگاف انداز میں دیکھا تاکہ اہل حق اور اہل باطل میں فرق کرسکوں اور اہل

---

۱ ۔ کل حزب بمالدیھم فرحون ۔ القرآن ۔ ۳۰ : ۳۲ ۔
۲ ۔ ستفترق امتی ثلاثا و سبعین فرقة ، الناجیة منھا واحدة ۔

سنت اور اہل بدعت کو پہچان سکوں ۔ میں نے نہ تو کسی باطنی فرقہ کو اس وقت تک چھوڑا جب تک کہ اس کے عقائد باطنیہ کو اچھی طرح سمجھ نہ لیا اور نہ کسی اہل ظاہر کو اس کے عقائد مخصوصہ پر اچھی طرح علم و اطلاع حاصل کئے بغیر چھوڑا اور نہ کوئی فلسفی ایسا بچا جس کے فلسفے کی روح تک میں نے پہنچنے کا قصد نہ کیا ہو اور نہ کوئی متکلم (یعنی عالم علم کلام) ایسا رہا جس کے طریقۂ استدلال اور انداز بحث و مباحثہ کی آخری حد تک پہنچنے کی میں نے کوشش نہ کی ہو اور نہ کوئی صوفی ایسا بچا جس کے تزکیہ و تصوف پر اطلاع حاصل کرنے کی رغبت میں نے نہ کی ہو ۔ اور نہ کوئی عابد و زاہد مجھ سے چھوٹا جس کی عبادت و ریاضت کا مرجع و انجام میں نے معلوم نہ کیا ہو۔ نہ کوئی زندیق[1] اور معطل[2] میں نے چھوڑا جس کی بناء اور اصلیت میں نے نہ معلوم کی ہو کہ کن اسباب کی بناء پر اس نے زندیق اور معطل بننے کی جرأت کی ۔ حقائق اشیاء کی دریافت کا ذوق و شوق مجھے ابتدائے عمر سے تھا - یہ ایک قدرتی امر تھا جو خداوند تعالی نے میری سرشت میں ودیعت کر دیا تھا یہ ذوق و شوق نہ اختیاری تھا نہ کسبی - سن شعور کے قریب ، رفتہ رفتہ کورانہ تقلید کا پھندا میرے گلے سے نکل گیا اور موروثی عقائد جو قرب بلوغت سے میرے ذہن نشین تھے ، آن کا شیشہ پاش پاش ہوگیا -

کیوں کہ میں نے دیکھا کہ عیسائی بچوں کی نشوونما عیسائی مذہب پر ہوتی ہے اور یہودی بچوں کی یہودیت پر اور مسلمان بچوں کی اسلام پر اور یہ حدیث نبوی بھی میں نے سنی تھی کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا لیتے ہیں یا عیسائی یا آتش پرست [3] - میرے دل میں یہ معلوم کرنے کی تحریک پیدا ہوئی کہ اس فطرت اصلیہ کی حقیقت آخر ہے

---

۱ - رند و آزاد - بداعتقاد و بے دین -
۲ - صفات الٰہی کو نہ ماننے والا ، اس سے عموماً معتزلہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے -
۳ - کل مولود یولد علی الفطرة، فابواه یہودانه و ینصرانه و یمجسانه -

کیا ؟ اور والدین اور اساتذہ کی تقلید سے جو عقائد پیدا ہو جاتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے ؟ اور ان تقلیدات اور تلقینات کے مابین تمیز کرنے کی کوشش کی اور درحقیقت حق اور باطل کے مابین تمیز کرنے سے ہی اختلافات رونما ہوتے ہیں ۔ پھر میں نے سوچا کہ سب سے پہلی بات جو مجھے معلوم کرنی چاہیے ، وہ حقائق اشیاء کا علم ہے ۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ خود علم کی ماہیت کیا ہے؟ پس مجھے معلوم ہوگیا کہ صرف اسی علم کو علم یقینی کہا جا سکتا ہے جس میں شیء معلوم اس طرح منکشف ہو کہ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی مطلقاً گنجائش باقی نہ رہے وہم اور غلطی کا امکان ختم ہوجائے بلکہ وہم و گماں دل کے قریب بھی نہ پھٹک سکے اور علم یقینی کے خطا و غلطی سے محفوظ و مامون ہونے پر یقین اس درجہ پختہ ہو کہ اگر کوئی ایسا شخص بھی جو پتھر سے زر خالص اور لاٹھی سے سانپ بنا کر دکھا دے ، اس علم کے خلاف کہے اور اس کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرے ، تب بھی کسی قسم کا شک و شبہ اس علم کے متعلق پیدا نہ ہو سکے ۔ کیوں کہ جب مجھ پر یہ ثابت ہوگیا کہ دس تین سے زیادہ ہیں تو اب اگر کوئی مجھ سے کہے کہ نہیں تین زیادہ ہیں دس سے اور دلیل یہ دے کہ میں ابھی اس لاٹھی کو سانپ میں تبدیل کیے دیتا ہوں اور وہ مجھے ایسا کرکے دکھا بھی دے ۔ تو مجھے صرف اس بات پر تو تعجب ہوگا کہ اسے قلب ماہیت کی یہ قدرت کس طرح حاصل ہوئی لیکن میرے علم میں پھر بھی شک و شبہ کی کوئی رمق پیدا نہ ہوگی ۔

اس کے بعد مجھے معلوم ہوگیا کہ مجھے جو علم اس درجہ کی قطعیت کے ساتھ حاصل نہ ہوگا اس پر مجھے یقین نہ کرنا چاہیے اور نہ مجھے اس پر اعتماد ہو سکتا ہے ۔ کیوں کہ جو علم شک سے محفوظ و مامون نہ ہو وہ علم یقینی نہیں ہے ۔

اسباب استدلال باطل

انکار علوم کا بیان

پھر میں نے ان علوم کی تفتیش شروع کی جو مجھے حاصل تھے تو میں نے اپنے آپ کو ایسے علم سے خالی پایا جو علم یقینی کی ان مذکورہ بالا صفات سے متصف ہو ، سوائے علم حسیات اور ضروریات کے - پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس عالم یاس میں سوائے اس کے اور چارہ کار نہیں کہ میں اپنی مشکلات اور غور طلب مسائل کو صرف واضح اور خود آشکار باتوں تک محدود رکھوں ، یعنی حسیات اور ضروریات تک - مگر پھر مجھ پر اس بات کو دیکھنا بھی لازم ہوا کہ کہیں حسیات پر میرا بھروسہ رکھنا اور ضروریات کو یقینی اور غلطی سے محفوظ و مامون سمجھنا بھی ایسا ہی تو نہیں جیسا اس سے پیشتر میں تقلیدات کو یقینی اور غلطی سے پاک سمجھتا تھا اور اس پر بھروسہ رکھتا تھا ، یا جیسا اکثر عام لوگوں کا اعتقاد اپنے نظریات پر ہوتا ہے - یا میرا اعتماد اس پر ایسا ہی ہے جیسا کہ محقق کا ہوتا ہے اور اس میں نہ تو کوئی شائبہ شبہ کا ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی حد ہوسکتی ہے - تب میں نے محتاط طریقے سے کام لیتے ہوئے حسیات و ضروریات پر غور و فکر کیا اور دیکھنے لگا کہ کہیں ان میں کسی شک کا امکان تو نہیں ؟ اور ہوا یہ کہ مجھے بے انتہا شکوک و شبہات (محسوسات میں) بھی محسوس ہونے لگے یہاں تک کہ میرے دل نے ان پر یقین اور اعتماد ہی کرنا چھوڑ دیا اور کہا کہ محسوسات پر کیوں کر اعتماد کیا جا سکتا ہے ؟ (محسوسات میں) سب سے قوی حاسہ بصارت ہے - (لیکن اس کا حال یہ ہے کہ) اگر یہ کسی سایہ پر نظر ڈالتی ہے تو وہ ساکن دکھائی دیتا ہے ، بالکل غیر متحرک ، لیکن تجربہ اور مشاہدہ سے ایک گھنٹے بعد ثابت ہوتا ہے کہ حقیقتاً وہ

متحرک تھا اور حرکت اس میں یک بارگی نہیں پیدا ہوتی بلکہ بتدریج اور وہ تھوڑا تھوڑا متحرک تھا ۔ حتی کہ کسی وقت بھی وہ مطلق ساکن تو ہو ہی نہیں سکتا ۔ اسی طرح آنکھیں ستاروں کو دیکھتی ہیں دیناروں کے برابر چھوٹے، لیکن دلائل علم ہندسہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حجم میں زمین سے بھی بڑے ہیں ۔ حسیات سے متعلق اسی طرح کی اور دوسری مثالیں ہیں، جن میں حاسہ کا حاکم اپنا حکم لگاتا ہے اور عقل کا حاکم اسے مسلسل غلط ثابت کرتا ہے اور اس کی تکذیب نہیں کی جا سکتی ۔

اس کے بعد میں نے اپنے جی میں کہا کہ اب تو محسوسات پر بھی اعتماد نہ رہا ۔ شاید وہ عقلیات ہی قابل اعتماد ہوں جو اولیات میں شمار کی جاتی ہیں جیسے ہم کہیں کہ دس زیادہ ہیں تین سے اور نفی و اثبات ایک شے میں جمع نہیں ہو سکتے اور ایک ہی شے (وقت واحد میں) قدیم اور حادث، معدوم اور موجود، واجب اور محال نہیں ہوسکتی ۔ اس پر حسیات نے کہا کہ عقلیات پر تو ایسا بھی اعتماد اور وثوق نہیں ہو سکتا جیسا کہ حسیات پر ہوتا ہے ۔ پہلے تو آپ کو ہم پر اعتماد تھا لیکن عقل کے حاکم نے ہماری تکذیب کر کے آپ کو وہاں سے ہٹا دیا ۔ اگر عقل سا زبردست حاکم نہ ہوتا تو آپ ہمیشہ ہماری ہی تصدیق کرتے رہتے ۔ ہو سکتا ہے کہ عقل سے بڑھ کر بھی کوئی حاکم ہو جو اگر ظاہر ہو جائے تو (ادراک حقائق میں) حاکم عقل کی غلطی کو اسی طرح ثابت کر دے جس طرح حاکم عقل نے اپنا جلوہ دکھا کر (ادراک حقائق میں) حسیات کی غلطی ثابت کر دکھائی اور یہ امر کہ ماوراء العقل بھی ادراک کی ایک دوسری طاقت موجود ہے، جو آپ پر فی الحال ظاہر نہیں، اس بات کی دلیل نہیں کہ حقیقتاً وہ موجود بھی نہیں اور اس کا ہونا محال ہے ۔ پس میرے دل نے اس کے جواب میں تھوڑا سا توقف کیا ۔ اسی میں اس اعتراض کی تائید خواب سے ہوئی ۔

اور دل نے کہا کہ کیا تم خواب میں ایسے امور اور خیالات نہیں دیکھتے، جن کا اس وقت تمہیں پورا یقین حاصل ہو

جاتا ہے اور ان کے ثبات و قرار میں شبہہ نہیں رہتا اور (جب تک نیند کی حالت میں ہو) اس پر کوئی شبہہ نہیں گذرتا - جب (نیند ختم ہوتی ہے اور) عالم بیداری ہوتا ہے تو تم جان لیتے ہو کہ (عالم خواب کے) تمام معتقدات و خیالات محض بے اصل اور بے بنیاد تھے - پھر اس طرح کیوں کر یقین کر سکتے ہو کہ تمام امور (جن کا ادراک) عالم بیداری میں خواہ عقل کے ذریعہ ہوا ہو یا حسیات کے ذریعہ ، حقیقتاً درست ہیں ؟ ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ تمہاری اس وقت کی حالت کے لحاظ سے درست ہیں - لیکن ممکن ہے کہ تمہاری اس حالت پر کوئی اور حالت ایسی طاری ہو جائے جس کو تمہارے عالم بیداری سے وہی نسبت ہو ، جو عالم بیداری کو عالم خواب سے تھی اور جس کی نسبت آپ کا یہ عالم بیداری مثل عالم خواب کے ہو تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ جو خیالات تم نے عقل کے زور سے قائم کر رکھے تھے وہ لاحاصل توہمات تھے اور شاید یہ وہی حالت خاص ہو جس کا دعوی صوفیہ کرتے ہیں - کیوں کہ جب وہ اپنے آپ سے غائب اور بےہوش ہو کر اپنے باطن میں غرق اور محو ہو جاتے ہیں تو اس وقت وہ ایسے حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں جو امور عقلیہ سے مطابقت نہیں رکھتے اور شاید یہ حالت موت ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

> ''لوگ عالم خواب میں ہیں ، جس وقت مریں گے تو بیدار ہو جائیں گے[1]۔''

تو ایسی صورت میں حیات دنیوی بہ نسبت عالم آخرت کے عالم خواب ہو گی اور جب کوئی شخص مرے گا تو اس پر (جو اشیاء ظاہر ہوں گی) وہ حیات دنیوی کے مشاہدے کے خلاف ظاہر ہوں گی اور اس وقت اس طرح کی بات اس سے کہی جائے گی - ''ہم نے تجھ سے تیرا پردہ کھول دیا - پس آج تیری نظر تیز ہے[2]'' -

---

۱ - الناس نیام فاذا ماتوا انتبہوا -

۲ - فکشفنا عنك غطاءك فبصرك الیوم حدید - القرآن - ۵۰ : ۲۲ -

جب یہ اندیشے میرے دل میں گذرے تو میں اپنے دل میں بہت کڑھا ۔ ہرچند میں نے چاہا کہ اس مرض کا علاج کروں لیکن یہ آسان نہ تھا ۔ اس مرض کا دفعیہ بغیر دلیل اور ثبوت کے ہو نہیں سکتا اور دلیل و ثبوت کا قائم کرنا ممکن نہیں ، جب تک علوم اولیات سے اسے ترتیب نہ دیا جائے (یعنی جب تک علوم اولیات سے استفادہ نہ کیا جائے) لیکن (علوم اولیات) پر اعتبار نہ رہا اس سے دلائل کو مرتب کرنا ناممکن ہو گیا اور یہ سخت مرض تقریباً دو ماہ تک قائم رہا ۔ میں اس عرصہ میں سوفسطائیوں (اصحاب استدلال باطل) کے طریق پر کاربند رہا لیکن یہ صرف میرا حال تھا ، قال یا ظاہر نہ تھا ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالی نے مجھے اس مرض سے شفاء عطا فرمائی ۔ میری طبیعت صحت اور اعتدال کی طرف رجوع ہوئی ۔

میں ضروریات عقلیہ کو یقین کے ساتھ تسلیم کرنے لگا اور انہیں غلطی سے محفوظ و مامون ماننے لگا ۔ لیکن یہ تسلیم کرنا دلائل کے نظم و ضبط اور علم کلام کی ترتیب کے سبب نہ تھا بلکہ اس نور سے تھا جو حق تعالی نے میرے دل میں ڈالا تھا اور یہی نور اکثر معارف کی (گویا) کنجی ہے ۔ جس شخص نے یہ گمان کیا کہ کشف حقایق صرف دلائل پر موتوف ہے اس نے اللہ تعالی کی وسیع رحمت کو تنگ اور محدود کر دیا ۔

جب رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے اس آیت کریمہ کے معنی اور شرح صدر کی حقیقت دریافت کی گئی : جب اللہ تعالی کسی کو ہدایت دینا چاہتا ہے تو اسلام کے لیے اس کا سینہ کھول دیتا ہے[1]'' ۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالی دل میں ڈال دیتا ہے ۔ پھر پوچھا گیا کہ اس کی علامت کیا ہے ؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ دنیا سے منہ پھیرنا جو دار غرور[2] ہے اور عاقبت کی طرف متوجہ ہونا جو ہمیشہ رہنے والی جگہ ہے ۔

---

۱ ۔ فمن یرداللہ آن یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام، القرآن ۱۲۵:۶۱ ۔
۲ ۔ التجافی عن دارالغرور والا نابۃ الی دارالخلود ۔

اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

''اللہ تعالی نے خلق کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور چھڑکا[۱] ۔''

اس لیے صرف اس نور ہی سے کشف کو طلب کرنا چاہیے ۔ چوں کہ یہ نور جود و رحمت الٰہی سے نکل کر بعض طالبین کے دلوں میں پڑتا ہے اس لیے ہر شخص کو اس کا منتظر و نگراں رہنا چاہیے ۔ جیسا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

''تمھاری اس دنیوی زندگی کے ایام میں رحمت الٰہی کی بہت سی خوشبوئیں ہیں ، تم ان کی تاک میں رہو[۲] ۔''

اس بیان سے مقصود یہ ہے کہ اس کی طلب میں کامل جدوجہد کرو ۔ یہاں تک کہ تمھاری طلب ''مالا یطلب'' تک پہنچ جائے (یعنی اس چیز تک جو تمھاری طلب کی دسترس سے بالاتر ہے) کیوں کہ (اولیات کا حصول مطلوب[۳] نہیں اس لیے کہ وہ تو حاضر ہیں اور حاضر و موجود طلب کرنے سے مخفی ہو جاتا ہے ۔

---

۱ ۔ إن اللہ تعالیٰ خلق الخلق فی ظلمة ثم رش علیھم من نورہ ۔

۲ ۔ إن لربکم فی أیام دھرکم نفحات ، الا فتعرضوا لھا ۔

۳ ۔ مطلوب کے مفہوم میں اس کا طالب سے غائب ہونا اور قبضۂ اقتدار سے باہر ہونا مضمر ہے ۔ یعنی حضور شے اور طلب شے میں تضاد کلی ہے ۔ جس شے کا مطلوب ہونا قرار دیا جائے گا، اس کا غائب ہونا واجب ہوگا اور حاضر ہونا محال ۔ اسی طرح جو شے حاضر ہو ، اس کا مطلوب ہونا محال ۔ اسی لیے کہا ہے کہ حاضر و موجود طلب کرنے سے گم اور مخفی ہو جاتا ہے ۔

اور جو کوئی ''مالا یطلب''[1] کی طلب کرتا ہے اس پر کوئی یہ اتہام نہیں لگا سکتا کہ اس نے طلب میں کوتاہی کی -

ء

---

۱ - مراد اس سے یہ ہے کہ صوفیہ کشف حقائق کے طالب ہیں اور عقلاء اس کی طلب سے قاصر ، صوفیہ کا مطمح نظر اس درجہ بلند ہے کہ وہ آن اشیاء و معاملات کی طرف متوجہ نہیں جن کی طرف عقلاء ہیں - اس لیے ان پر یہ اتہام کوئی نہیں لگا سکتا کہ صوفیہ ایسی چیزوں کی طلب میں قاصر ہیں جن چیزوں کو عقلاء بھی طلب کر سکتے ہیں - مختصراً یہ کہ جب صوفیہ اور عرفاء مقصود اعلیٰ کی طلب میں قاصر نہیں تو کون یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ دوسرے مطالب میں قاصر ہوں گے -

اصنافِ طالبین کا بیان

جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل اور انتہائی کرم کے ساتھ اس مرض سے شفا بخشی تو میں نے طالبانِ حق کو چار گروہوں میں تقسیم پایا ۔

ایک متکلمین ہیں اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اہلِ رائے اور اہلِ نظر ہیں ۔ دوسرے باطنیہ ہیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اصحابِ تعلیم ہیں اور امام معصوم سے اقتباس (انوار) میں مخصوص ہیں ۔

تیسرے فلاسفہ ہیں جن کو زعم ہے کہ ہم اہلِ منطق و برہان ہیں ۔

چوتھے صوفیہ ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ وہ خاصانِ بارگاہ الٰہی اور صاحبانِ مشاہدہ و مکاشفہ ہیں ۔

تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ حق ان چار گروہوں سے باہر نہیں(یعنی انھی چار گروہوں میں سے ایک حق پر ہے) ۔ اگر ان سے بھی حق باہر ہو تو پھر حق کے ملنے کی کوئی امید نہیں ۔ جیسے تقلید چھوڑ کر پھر تقلید کی طرف رجوع کرنے کی امید نہیں رہتی اور مقلد اسی وقت تک مقلد ہے جب تک کہ یہ نہ جانے کہ میں مقلد ہوں ۔ جب مقلد نے یہ معلوم کر لیا کہ میں مقلد ہوں تو اس کی تقلید کا شیشہ ٹوٹ گیا اور ایسا بال اور شگاف اس میں آیا کہ پھر ملانے اور چپکانے سے نہیں جڑتا جب تک کہ اس کو آگ میں ڈال کر نہ پگھلایا جائے اور نیا شیشہ نہ بنایا جائے ۔ (یہ بات اپنے دل میں کہہ کر) میں نے ان چاروں گروہوں کے طریقوں پر چلنے اور اس امر کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا کہ دیکھوں ان کے پاس کیا کچھ ہے پہلے میں علمِ کلام سے شروع کروں گا ، پھر علمِ فلسفہ ، پھر تعلیماتِ باطنیہ ، پھر طریقِ صوفیہ سے ۔

علم کلام کا مقصود اور اس کا حاصل

سب سے پہلے میں نے علم کلام کو شروع کیا ، اسے حاصل کیا اور اسے خوب سمجھا اور اس موضوع کے محققین کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس (علم) میں (خود) کتابیں تصنیف کیں تو مجھ پر ثابت ہوا کہ یہ علم اپنا مقصد تو پورا کر سکتا ہے لیکن میرا مقصد پورا نہیں کر سکتا۔ اس علم کا مقصد یہ ہے کہ اہلِ سنت کے عقیدہ کی حفاظت کرے اور اہلِ بدعت کے فتنہ سے لوگوں کو بچائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے پہلے عقیدۂ برحق سکھایا جس پر ان (بندوں) کی دین و دنیا کی بہتری منحصر تھی جیسا کہ احادیث نبوی اور قرآن مجید اس پر گواہ ہیں - پھر شیطان نے (لوگوں کے دلوں میں) وسوسے ڈال کر ایسی بدعات پیدا کر دیں جو عقیدہ اہل سنت کے برخلاف تھیں - قریب تھا کہ لوگ ان پر یقین کر لیں اور اہل حق کے لیے ان کے عقیدہ میں تشویش پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے متکلمین کا گروہ پیدا کیا اور ان کے دلوں میں سنت کی مدد کرنے کا داعیہ ڈالا تاکہ وہ کلامِ مرتب (اور دلائل و براہین) سے اہلِ بدعت کی ان بدعتوں کا پردہ فاش کریں جو سنت ماثورہ کے برخلاف ہیں۔ اس طرح علمِ کلام اور متکلمین پیدا ہوئے اور ان سے بعض اس مقصد کے لیے کمربستہ ہو گئے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے انہیں بلایا تھا۔ اور انھوں نے ان برائیوں کو خوب رفع کیا ، جو سنت میں پیدا ہو گئی تھیں اور اہل بدعت نے جو بدعات اس عقیدہ میں پیدا کر دی تھیں جو حضرت بارگاہ نبوت سے انہیں پہنچا تھا ، ان کا خوب مقابلہ کیا - لیکن ایسا کرنے میں متکلمین نے اپنے دشمنوں کے مسلمہ مقدمات پر اعتبار و اعتماد کیا ، (اور مباحثات و مناظرات کے سلسلہ میں) ان مسلمہ مقدمات کے تسلیم کرنے پر ، یا تو

تقلید کے سبب یا اجماعِ امت کی وجہ سے مجبور ہوئے یا قرآن و حدیث سے لے کر انھیں محض قبول کر لیا تھا اور ان کی اکثر مساعی دشمنوں (کے پیش کردہ) مقدمات کے تناقضات کو نمایاں کرنے اور (ان کے) مسلمات کی تنقید تک (محدود تھیں) - لیکن یہ (طریق استدلال) ایسے شخص کے حق میں زیادہ مفید نہیں جو ضروریات کے سوا اور کسی چیز کو نہ مانتا ہو اس لیے میرے حق میں یہ علم الکلام کافی نہ تھا اور جس مرض کی مجھے شکایت تھی اس کی شفا اس سے نہ ہو سکتی تھی - جب علم کلام کی صنعت پیدا ہوئی اور اس میں کثرت سے غور و خوض ہوا (اور مساعی کی گئیں) اور متکلمین خاصے عرصے تک ذوق و شوق سے بحثِ حقائق امور کے ذریعہ عقائد اہلِ سنت پر سے اعتراضات رفع کرتے رہے مگر انھوں نے اس میں جواہر و اعراض اور ان کے احکام کی بحث کو بہت بڑھا دیا - لیکن چوں کہ ان کے علم کا مقصود یہ نہ تھا اس لیے اس معاملہ میں ان کا کلام حد آخر نہ پہنچا - (یعنی اس مسئلہ میں وہ افکار و خیالات کی انتہائی گہرائیوں تک نہ پہنچ سکے) اور اس سے یہ بات حاصل نہ ہوئی کہ خلق کے باہمی اختلافات کے سبب فکری پریشانی کی جو تاریکی پھیلی ہوئی ہے وہ بالکل دور ہو جائے اور کچھ بعید نہیں کہ میرے سوا کسی اور کو یہ فائدہ حاصل ہوا ہو اور اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت لوگوں کو اس سے فائدہ حاصل ہوا ہے - تاہم (فائدے کا یہ) حصول بعض امور میں جو اولیات سے نہیں ، تقلید کی آمیزش سے خالی نہیں -

یہاں میری غرض اپنے حال کی حکایت سے ہے نہ کہ ان لوگوں کا انکار جن کو اس (علم کلام) سے شفا ہو چکی ہے - کیوں کہ شفا کے لیے ادویہ اختلافِ امراض کے لحاظ سے ہوتی ہیں - کیوں کہ بعض دوائیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک مریض کو تو ان سے فائدہ ہوتا ہے لیکن دوسرے کو ان سے ضرر پہنچتا ہے -

حاصلِ فلسفہ کا بیان

اور اس بیان میں کہ کون سا حصہ اس کا ایسا ہے جس کی مذمت کرنی چاہیے اور کون سا ایسا ہے جس کی مذمت نہ کرنی چاہیے اور کون سا امر (ان فلاسفہ کا) ایسا ہے جو قائل کو کافر کر دیتا ہے اور کون سا امر ایسا ہے جو کافر نہیں کرتا ۔ کون سا امر ایسا ہے جس میں ان کو مبتدع (دین میں نئی بات اختراع کرنے والا) کہا جاتا ہے اور کن امور میں مبتدع نہیں گردانا جاتا اور اس بات کے بیان میں کہ وہ کون سے امور ہیں جن کو انھوں نے اہلِ حق کے کلام سے چرا کر اپنے کلام میں ان کی آمیزش کی تاکہ اپنے (کلام) باطل کو ترویج دیں اور اس بیان میں کہ کس وجہ سے لوگوں کو اس حق سے نفرت ہو جاتی ہے اور اس بیان میں کہ جو حقائقِ حقِ خالص کا صراف ہو وہ کیوں کر اس سے خلاصی پا سکتا ہے اور ان کے کلام میں سے کھرے اور کھوٹے کو پرکھ سکتا ہے ۔

علم کلام سے فارغ ہو کر میں نے علم فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا اور میں نے یقین کر لیا کہ جب تک کوئی شخص کسی علم کو اس کی حد و انتہا تک حاصل نہ کرے جس کے ذریعہ اس علم کے اعلیٰ درجہ کے عالم و فاضل سے مساوات اور ہمسری کر سکے اس وقت تک اس علم کے نقائص اور عیوب پر بخوبی مطلع نہیں ہو سکتا ۔ بلکہ جب اس درجہ سے بڑھ کر ان حقائق اور نشیب و فراز پر اطلاع پائے جن پر اس علم کا اصلی عالم بھی مطلع نہیں ہو سکتا ، تب اس علم پر اس کی نکتہ چینی قابلِ لحاظ اور لائق اعتماد ہو سکتی ہے ۔ لیکن علمائے اسلام میں کوئی ایسا عالم میری نظر سے نہیں گزرا جس نے فلسفہ کی طرف اس درجہ اپنی ہمت اور توجہ مرکوز کی ہو اور متکلمین نے فلسفہ کے جن بعض مسائل کو تردید کے خیال سے اپنی کتابوں میں مندرج کیا تھا وہ ایسے لایعنی، بے ترتیب، صریح متناقض اور فاسد

تھے جن سے کوئی عامی و نادان بھی دھوکہ نہیں کھا سکتا تھا چہ جائیکہ وہ شخص جو دقائق علوم کے سمجھنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ پس (ان سب امور سے) مجھے معلوم ہوگیا کہ کسی مذہب کی حقیقت اور ماہیت کو معلوم کیے بغیر اس کی تردید کرنا ایسا ہے جیسے اندھیرے میں تیر چلانا۔ اس لیے میں نے اس علم فلسفہ کی تحصیل میں حد درجہ کی کوشش کی اور یہ تحصیل بغیر کسی استاد کی مدد کے صرف مطالعہ کتب کے ذریعہ تھی اور میرا یہ کام درس و تدریس اور تصنیف و تالیف علوم شرعیہ سے فراغت کے وقت ہوتا تھا۔ حالانکہ تین سو طالب عالم مدرسہ بغداد میں مجھ سے علوم پڑھتے تھے اور فائدہ اٹھاتے تھے۔ خداوند تعالٰی نے صرف مطالعہ کے ذریعہ ہی جو بے قاعدہ اور متفرق اوقات میں ہوا، دو سال سے بھی کم عرصہ میں مجھے علم فلسفہ کے انتہائی درجہ تک پہنچا دیا۔ اس کو سمجھنے کے بعد برابر اسی پر غور و فکر کرتا رہا اور ایک سال تک (اپنے ذہن میں) اسی کو دھراتا رہا اور الٹ پھیر کرتا رہا اور اس کے نقائص اور مفاسد کی تلاش کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس میں جو دھوکہ، فریب، داؤ، پیچ، اور تحقیق و تخییل تھی ان سب پر مجھے ایسی اطلاع حاصل ہوئی جس میں مجھے کوئی شک باقی نہ رہا۔

اب آپ فلاسفہ کا حال اور ان کے علوم کے نتائج سنئیے۔ میں نے دیکھا کہ فلاسفہ کے کئی مکاتب فکر ہیں اور ان کے علوم کے کئی اقسام ہیں مگر با ایں ہمہ کثرت سے ان سب پر کفر و الحاد کا داغ اور دھبہ لگتا ہے اور ان کے بہت قدیم اور متقدمین میں اور ان کے متاخرین اور ان سے ذرا پہلے کے فلاسفہ کے مابین حق سے دور ہونے یا اس سے قریب ہونے میں تفاوت عظیم پایا جاتا ہے۔

فلاسفہ کے اقسام اور ان کے کفر کے بیان میں

واضح ہو کہ فلاسفہ کے بہت سے فرقے ہیں اور ان کے مذاہب مختلف ہیں لیکن ان کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے -

۱ - دھریہ ۲ - طبیعیہ ۳ - الٰہیہ

پہلی قسم دھریوں کی ہے - یہ فلاسفہ متقدمین کا ایک فرقہ ہے جو صانع حقیقی اور مدبر عالم اور قادر مطلق سے منکر ہے - ان کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا بذاتِ خود اسی طرح ازل سے بغیر صانع کے جیسی ہے ، موجود ہے - ہمیشہ حیوان سے نطفہ اور نطفہ سے حیوان وجود میں آتا رہتا ہے - اسی طرح ہوتا رہا ہے اور ابد تک اسی طرح ہوتا رہے گا - یہ فرقہ زندیقوں کا ہے -

دوسری قسم طبیعیوں کی ہے - یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے عالم طبیعیات میں بکثرت بحث کی ہے اور حیوانات اور نباتات کے عجائبات و غرائبات میں اور علم تشریح اعضائے حیوانات میں بہت غور کیا ہے، جس سے انہیں اللہ تعالیٰ کے عجائبِ صنع اور بدائعِ حکمت اس کثرت سے نظر آئیں کہ وہ ایسے قادر حکیم کے اعتراف پر مجبور ہوئے جو اشیاء کی غایت اور اس کے اقسام سے باخبر ہو - اور جو کوئی علم تشریح اور منافع اعضاء کا مطالعہ کرتا ہے اس کو اس امر کا علم ضرور حاصل ہو جاتا ہے کہ جسم حیوانی اور خاص طور پر جسم انسانی کا بنانے والا کمال تدبیر کا حامل ہے - مگر چونکہ یہ لوگ طبیعیات کے حالات میں بہت غور و خوض کرتے رہے ہیں ، اس لیے ان کو یہ معلوم ہوا کہ قوائے حیوانی کے قوام میں اعتدال مزاج کی بڑی تاثیر ہے اور اس سے ان کو یہ گمان ہو گیا کہ انسان میں جو قوت عاقلہ ہے وہ بھی ان کے مزاج کی تابع ہے اور جب وہ مزاج نہیں رہتا تو قوت عاقلہ بھی جاتی رہتی ہے اور جب وہ معدوم ہو جاتی ہے تو پھر واپس نہیں آتی - کیوں کہ عقلاً معدوم کا اعادہ ممکن نہیں اور اس سے

انھوں نے یہ گمان کیا کہ نفس بھی جب مر جائے گا تو پھر عود نہ کرے گا اور (اس گمان سے) وہ آخرت کے اور دوزخ ، بہشت اور حشر و حساب کے منکر ہو گئے ۔ پس ان کے نزدیک نہ تو بندگی کا ثواب ہے اور نہ گناہ کا عذاب ۔ ان کے منہ سے لگام اتر گئی ۔ وہ لذات و شہوات میں ایسے غرق ہوئے جیسے مویشی ۔ یہ فرقہ بھی زندیقوں کا ہے ۔ کیونکہ اصل ایمان یہ ہے کہ آدمی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور یہ لوگ اگرچہ اللہ تعالی پر اور اس کی صفات پر ایمان رکھتے ہیں مگر یوم آخرت کے منکر ہیں ۔

تیسری قسم فلاسفہ الٰہیین کی ہے ۔ یہ فلاسفہ متاخرین ہیں جیسے سقراط جو افلاطون کا اُستاد تھا، اور افلاطون جو ارسطو کا اور اسی ارسطو ہی نے علم منطق کو لکھا اور علوم کو آراستہ پیراستہ کیا اور علوم کے مادہ کا ایسا خمیر تیار کیا جو اس سے پہلے نہ تھا اور سابقین کے جو علم و مسائل خام تھے انھیں پختہ کیا فلاسفہ الٰہیین نے علی العموم پہلے دونوں فریق یعنی دھریہ اور طبیعیہ کا رد کیا ہے اور ان کے قبائح اس قدر بیان کئے کہ اب اوروں کو اس باب میں تکلیف کی ضرورت نہ رہی ۔ اللہ تعالی نے اس جنگ کو مؤمنین سے ٹال دیا[1] ۔ ان کے باہمی رد و قدح کے سبب ــ پھر ارسطو نے افلاطون اور سقراط کی اور ان کے متقدمین فلاسفہ الٰہیین کی بخوبی تردید کی اور اس میں اس نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی یہاں تک کہ اپنے آپ کو اس نے ان سے الگ کر لیا مگر ان کے عقائد کفریہ اور بدعات کے رذائل کا کچھ حصہ (بقیہ) اس سے بھی رہ گیا جس کے نکالنے کی اس کو توفیق حاصل نہ ہوئی ۔

اس لیے ان کی تکفیر اور ان کا اتباع کرنے والے مسلم فلاسفہ مثلاً ابن سینا اور فارابی وغیرہ کی تکفیر بھی واجب ہوئی ۔ کیونکہ ارسطو کے فلسفہ کی جیسی توضیح و تشریح ان دونوں نے کی اور مسلم فلاسفہ میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کی ۔ دوسرے لوگوں

---

۱ ۔ و کفی اللہ المؤمنین القتال ۔ القرآن ۔ ۳۳ : ۲۵ ۔

کا بیان ایسا گنجلک اور ژولیدہ ہے کہ پڑھنے والے کی سمجھ میں
کچھ نہیں آتا سوائے انتشار و تشویش کے اور جب سمجھ میں
نہیں آتا تو رد کرے تو کیا اور قبول کرے تو کیسے ؟
ان دونوں افراد کے ذریعہ ارسطو کا جتنا فلسفہ ہم تک پہنچا ہے
اور اس میں سے جتنا ہم واقعی صحت کے ساتھ ارسطو سے منسوب
کر سکتے ہیں ، اس کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔
ایک قسم پر تو تکفیر واجب آتی ہے اور ایک قسم کو بدعت
کہا جاتا ہے اور ایک قسم ایسی ہے کہ اس کے انکار کی ضرورت
نہیں ۔ اب ہم اس کو بالتفصیل بیان کرتے ہیں ۔

فلاسفہ اور ان کے علوم

جس غرض سے ہم علوم کی تلاش کر رہے ہیں اس کے لحاظ سے فلسفہ کے علوم چھ اقسام پر منقسم ہیں - ریاضی ، منطق ، طبیعیات ، الہیات ، سیاسیات ، اخلاقیات ، علم ریاضی میں یہ علوم داخل ہیں : حساب و ہندسہ ، ہیئت عالم - ان میں سے کوئی بھی امور دینیہ سے تعلق نہیں رکھتا ، نہ نفی کے لحاظ سے نہ اثبات کے لحاظ سے - بلکہ یہ سب امور برہانیہ ہیں - ان کے سمجھنے اور سوچنے کے بعد ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا - لیکن ان (علوم ریاضیہ) سے دو طرح کی آفتیں پیدا ہو جاتی ہیں -

پہلی آفت یہ کہ جو شخص ان علوم کو دیکھتا ہے ان کے باریک دقائق ، قوی ، پختہ اور واضح دلائل سے متعجب ہو جاتا ہے - اس لیے وہ (علی العموم) فلاسفہ کو اچھا سمجھنے لگتا ہے اور اس کے دل میں (یہ گمان) راسخ ہو جاتا ہے کہ فلاسفہ کے سارے علوم اتنے ہی واضح اور دلائل و براہین میں اسی قدر اٹل اور پختہ ہیں جیسا کہ یہ علم ریاضی - اس کے بعد اس کے کان میں امور شرعیہ کے خلاف ان کے وہ کفریات اور لغویات پہنچتے ہیں جو زبان زد عام ہیں - وہ محض تقلیداً ان اقوال کو مان کر کافر ہو جاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر دین حق ہوتا (یعنی اگر مذہب کی کوئی حقیقت ہوتی) تو وہ ان (فلاسفہ) سے کیوں مخفی رہتا - جنھوں نے اس علم میں انتہائی تحقیق اور تدقیق کی ہے - جب وہ ان (فلاسفہ) کی کفریات اور انکار دین کی بابت معلومات دوسروں سے سن سنا کر حاصل کرتا ہے تو پھر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ دین کا انکار کرنا اور اس کی تردید کرنی بھی حق اور درست ہے - کتنے افراد میری نظر سے گزرے ہیں جو صرف اتنی ہی بات سے حق سے گمراہ ہوگئے اور اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی سند نہیں - ایسے لوگوں سے یوں کہنا

چاہیے کہ جو شخص ایک علم میں مہارت کامل رکھتا ہو، ضروری نہیں کہ وہ تمام علوم کا ماہر ہو ۔ اگر کوئی علم فقہ اور علم کلام کا ماہر ہے تو ضروری نہیں کہ وہ تمام علوم کا ماہر ہو ۔ اگر کوئی علم فقہ اور علم کلام کا ماہر ہے تو ضروری نہیں کہ وہ طبیب حاذق بھی ہو ۔ اسی طرح جو شخص عقلیات سے نا بلد ہو ، ضروری نہیں کہ وہ علم نحو میں بھی جاہل ہو ۔ ہر علم میں ایسے اختصاصی لوگ ہوتے ہیں جو اس علم میں مہارت تامہ اور دستگاہ کامل رکھتے ہیں لیکن (اس مخصوص علم کے سوا) دوسرے علوم میں ان کا طرۂ امتیاز جہل اور حماقت کے سوا کچھ نہیں ہوتا ۔ اس امر کو سمجھنا چاہیے کہ ریاضیات کے اولیں اصول ہی دلائل و براہین پر مبنی ہوتے ہیں ، مگر (اس کے برخلاف) الٰہیات کے اولیں اصول کی بنیاد قیاس و تخمین ہے ۔ اس حقیقت سے صرف وہی شخص باخبر ہوتا ہے جس نے (بطور خود) اس پر خاصہ غور و خوض کیا ہو ۔ مگر جب یہی کسی ایسے شخص سے کہا جائے جو محض تقلیداً (ان کی بات تسلیم کر کے) ملحد ہو گیا ہے تو وہ اس کو کبھی نہ مانے گا ۔ بلکہ اس میں اور نفسانیت پیدا ہو جائے گی اور یہ شوق اس پر غالب ہوگا کہ شہرت باطل حاصل ہو اور تمام علوم میں فلاسفہ کے متعلق خوش اعتقادی پر اصرار کرنے کے سبب اسے عاقل اور دانا سمجھا جائے ۔ یہ ایک اور بڑی آفت ہے ۔ اس لیے علوم ریاضیات میں بہت غور و خوض کرنے والے کو روکنا ضروری ہے ۔ اگرچہ یہ علوم علم دین سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے لیکن علوم فلسفہ کے لیے اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں ، اس لیے فلاسفہ کا شر اور برائی طالب علم میں بھی سرایت کر جاتی ہے اور ایسے آدمی بہت کم ہیں جو اس علم میں غور و خوض کریں اور دین سے الگ نہ ہوں اور تقوے کی حدود سے باہر نکلنے کی ''سرکشی'' نہ کریں ۔
دوسری آفت وہ ہے جو اسلام کے نادان دوست سے پیدا ہوتی ہے اس نے یہ گمان کیا کہ دین کی تائید و حمایت کےلیے ان تمام علوم کا انکار ضروری ہے جو فلاسفہ سے منسوب ہیں ۔ اس لیے اس نے ان

تمام علوم سے انکار کر دیا اور (نہ صرف یہ بلکہ فلاسفہ پر) الزام لگایا کہ وہ خود ان علوم سے ناواقف ہیں - یہاں تک کہ کسوف و خسوف (سورج گہن اور چاند گہن) کے متعلق جو ان کے اقوال ہیں ان کا بھی انکار کر دیا اور سمجھا کہ یہ اقوال خلاف شرع ہیں - جب اس طرح کی نکتہ چینیوں کو ایسے شخص نے سنا جو (مسائل ریاضیہ) کو دلائل و براہین قاطع سے درست اور صحیح سمجھ چکا تھا اور یقین کر چکا تھا ، تو ان دلائل و براہین میں تو اسے کوئی شک نہ پیدا ہوا لیکن اسلام کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو گیا کہ اسلام کی بنیاد ہی جہل اور برہان قاطع کے انکار پر ہے - اس لیے اس کے دل میں فلسفہ کی محبت بڑھ گئی اور اسلام کی عداوت جم گئی - بیشک اس نے بہت برا کیا جس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ دین اسلام کی تائید و نصرت علوم ریاضیہ کے انکار سے ہو سکتی ہے - حالانکہ شریعت میں ان علوم سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا نہ بطور نفی کے نہ بطور اثبات کے ، اور نہ ہی ان علوم میں دینی امور سے کوئی تعرض کیا گیا ہے - خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں - ان کا کسوف اور خسوف کسی کی زندگی یا موت سے نہیں ہوتا - جب تم ایسا دیکھو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور نماز پڑھو[1] - اس سے علم حساب کا انکار نہیں نکلتا جس سے سورج اور چاند کے مدار ، ان کی حرکت ، ان کا اجتماع اور مقابلہ خاص خاص وجہ پر معلوم ہوتا

---

۱ - ان الشمس و القمر آیتان من آیات اللہ تعالیٰ لاینخسفان لموت أحد ولا لحیاته فاذا رأیتم ذلك فافزعوا الی ذکر اللہ تعالیٰ والی الصلوة، جناب رسالت مآب ؐ نے یہ الفاظ اپنے صاحبزادے کی وفات پر فرمائے تھے جب بعض ضعیف الاعتقاد لوگوں نے یہ کہا تھا کہ سورج گہن ، آپ کے صاحبزادے کی وفات کی وجہ سے ہے -

ہے اور (یہ الفاظ منسوب بہ) حدیث کہ اللہ تعالی کسی چیز کو اپنا جلوہ دکھاتا ہے تو وہ چیز اس کے سامنے جھک جاتی ہے، الحاقی ہے اور حدیث کی مستند کتابوں میں نہیں پائی جاتی[1] - یہ بیان ریاضیات کی حکمت اور اس کے نقائص کا تھا -

منطقیات

اب لیجیے منطقیات ان میں سے کوئی بھی علم دین سے تعلق نہیں رکھتا نہ نفی کے لحاظ سے نہ اثبات کے لحاظ سے - بلکہ منطق میں تو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دلیل اور قیاس کا طریقہ کیا ہے اور دلیل کے مقدمات کی کیا شرائط ہیں اور ان کو کس طرح مرتب کیا جاتا ہے اور صحیح تعریف کرنے کی کیا شرائط ہیں اور کس طرح انھیں ترتیب دینا چاہیے - علم تصور ہے یا تصدیق ؟ تصور کو تعریف کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے اور تصدیق کی معرفت کا طریقہ دلیل و برہان ہے - ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں جو انکار کے قابل ہو - بلکہ یہ اس قسم کی باتیں ہیں جن کا ذکر خود متکلمین (علم کلام) میں کرتے ہیں اور اہل مباحثہ اپنے دلائل میں پیش کرتے ہیں - فرق صرف عبارات و اصطلاحات کا اور تشریحات و شعبہ جات میں بہت زیادہ غور و خوض کرنے کا ہے -

ان کے کلام کی ایک مثال ان کا یہ قول ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہر ا ب ہے تو اس صورت میں یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ بعض ب ا ہے - یعنی جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہر انسان حیوان ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ بعض حیوان انسان ہیں اور (اہل منطق) اپنی اصطلاح میں اسے یوں بیان کرتے ہیں - موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ ہے - اس مسئلہ کا مہمات دین (امور دینیہ و مسائل اسلامیہ) سے کیا تعلق ہے کہ اس کو

---

۱ - ''إن الله إذا بدالشیٔ من خلقه خشع له ،'' ابو داؤد اور نسائی میں موجود ہیں ، ملاحظہ ہو جمع الفوائد من جامع الاصول میرٹھ ، ج ۱ ص ۱۰۸ -

ضرور مانا جائے یا انکار کیا جائے ؟ اگر اس سے انکار کیا جائے
تو نتیجہ اس کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہو گا کہ اہل منطق
کے دل میں انکار کرنے والے کی عقل پر ہی بدگمانی نہ پیدا ہو گی
بلکہ اس کے دین سے بھی بدظنی پیدا ہوگی ، جس کو انکار
کرنے والے نے اس انکار پر منحصر سمجھ رکھا ہے - ہاں
اہل منطق[1] نے اس میں کئی خرابیاں پیدا کر دی ہیں -
پہلے تو خود انھوں نے برہان و دلیل کے لیے ایسی شرائط قائم
کیں جن سے یہ معلوم ہو کہ بے شک ان کے ذریعہ علم یقینی
حاصل کیا جا سکتا ہے - لیکن جب مقاصد دینیہ (اور الٰہیات) پر
بحث و مباحثہ کا وقت آیا تو نہ صرف (خود اپنی قائم کردہ) شرائط
کا پوری طرح حق ادا نہ کر سکے بلکہ انتہائی سہل انگاری سے
غفلت برتتے ہوئے (ان شرائط کو) صاف نظر انداز کر گئے - جو
شخص علم منطق کو پسند کرتا ہے اور اسے ایک واضح اور مدلل
علم سمجھتا ہے - وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو کفریات[2] (علم منطق
میں بطور نقل کے) بیان ہوئی ہیں وہ بھی اسی طرح کے دلائل
و براہین سے ثابت شدہ ہیں اور (بطور خود تحقیق کر کے) علوم
الٰہیہ کی انتہاء تک پہنچنے سے پہلے ہی ان کو مان کر کافر ہو
جاتا ہے - علم منطق میں یہ آفت بھی ہے -

طبیعیات

طبیعیات ایک علم ہے جس میں عالم سمٰوات اور کواکب اور

---

۱ - یعنی فی نفسہ علم منطق میں کوئی امر ایسا نہیں جس سے انکار کیا جائے ، لیکن فلاسفہ اہل منطق نے اس میں از خود اس طرح کے اسقام و عیوب پیدا کر دیے ہیں اور اپنے داؤں پیچ ایسے رکھے ہیں کہ بے تفحص و تلاش اور بے تعمق نگاہ ہر شخص ان سے باخبر نہیں ہو سکتا -

۲ - یعنی فلاسفہ نے اس علم میں اپنی جانب سے کفریات ملا رکھی ہیں اور ان کو اس طور پر بیان کیا ہے گویا وہ منطقی دلائل و براہین سے ثابت شدہ حقائق ہیں حالانکہ واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے -

ان کے ماتحت اجسام مفردہ مثلاً پانی ، ہوا ، خاک ، آگ اور اجسام مرکبہ جیسے حیوانات ، نباتات ، معدنیات سے بحث کی جاتی ہے - اور ان کے تغیرات ، استحالات ، اور امتزاجات کے اسباب کا بیان ہوتا ہے - یہ بحث ایسی ہی ہے جیسے کہ علم طب میں انسانی جسم ، اس کے اعضائے رئیسہ اور اعضائے خادمہ اور اس کے مزاج اور استحالہ کے بارے میں کی جاتی ہے - تو جس طرح علم طب کا انکار کرنا دین کے لیے کوئی شرط نہیں ، اسی طرح علم طبیعیات کا انکار بھی ضروری نہیں - سوائے ان متعینہ مسائل کے جن کا ذکر ہم نے اپنی کتاب تہافۃ الفلاسفۃ میں کر دیا ہے اور جن دوسرے مسائل پر (فلاسفہ سے) مختلف رائے قائم کرنی ہو وہ بھی بہ ادنٰی تأمل (ہمارے ذکر کردہ انھیں) مسائل کے تحت آ جاتے ہیں -

اور ان سب باتوں کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ طبیعت (فطرت) اللہ تعالٰی کے حکم کی تابع ہے اور بذات خود کچھ نہیں کر سکتی - بلکہ اپنے خالق کی طرف سے کام پر لگائی گئی ہے اور سورج ، چاند ، ستارے، طبائع سب اللہ تعالٰی کے مطیع فرمان بردار ہیں اور ان کا کوئی فعل اپنی ذات کے یا اپنے سبب نہیں -

علم الٰہیات

اور اب علم الٰہیات - اس علم میں فلاسفہ نے بہت غلطیاں کی ہیں - جو شرائط انھوں نے دلائل و براہین کے لیے منطق میں قائم کی تھیں انھیں یہاں پورا نہ کر سکے - اس لیے اس علم میں خود ان کا بھی بہت اختلاف باہمی ہے - ان میں سے ارسطو کا مذہب مذاہب اسلامیہ کے کسی نہ کسی مذہب کے قریب رہا ہے جیسا کہ فارابی اور ابن سینا نے نقل کیا ہے -

لیکن اس میں ان سے جتنی غلطیاں ہوئی ہیں، انھیں بیس اصولوں کے تحت رکھا جا سکتا ہے - ان میں سے تین ایسے ہیں جن میں ان کی تکفیر واجب ہے اور سترہ ایسے ہیں جن میں انھیں بدعتی کہا جا سکتا ہے اور انھیں بیس مسائل کے ابطال کے لیے ہم نے رسالہ تہافۃ الفلاسفہ تصنیف کیا - وہ تین مسائل جن میں یہ تمام مسلمانوں (کے عقیدہ کے) برخلاف چلے ہیں ، یہ ہیں :

۱ - اجسام قیامت کے دن نہیں آٹھائے جائیں گے اور عذاب و ثواب صرف ارواح مجردہ کو ہوگا اور عذاب و ثواب روحانی ہونگے جسمانی نہیں -

روحانیت کے اثبات میں تو وہ سچے ہیں لیکن جسمانیت کے انکار میں وہ جھوٹے ہیں اور اپنے خیالات سے جن کا انھوں نے اظہار کیا ہے ، شریعت کا انکار کیا ہے -

۲ - اور ان کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ کو صرف کلیات کا علم ہے اور جزئیات کا نہیں ، صریح کفر ہے - بلکہ حق یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے علم سے آسمان و زمین کے اندر ایک ذرہ بھی غائب نہیں[1] -

۳ - اور یہ کہنا کہ عالم قدیم و ازلی ہے - اہل اسلام کا کوئی ایک بھی فرقہ ان مسائل کا قائل نہیں -

اور ان کے علاوہ جو مسائل ہیں مثلاً صفات کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علیم بالذات ہے اور ایسے علم سے علیم نہیں جو ذات پر زائد ہو -

اور اس قسم کے جو اقوال ان کے ہیں وہ سب معتزلہ کے مذاہب کے قریب قریب ہیں اور ایسے مسائل میں معتزلہ کی تکفیر ضروری نہیں اور ہم نے اپنی کتاب موسوم بہ فیصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ میں ایسے شخص کی مہمل رائے نہایت وضاحت سے بیان کی ہے جو اپنے مذہب کے ہر ایک مخالف پر فوراً کفر کا فتویٰ لگا دیتا ہے -

علم سیاسیات

اس علم میں ان کے سارے اقوال کا مرجع وہ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جو امور دنیوی اور کاروبار جہانبانی سے متعلق ہیں اور ان کو فلاسفہ نے ان الہامی کتب سے اخذ کیا جو

---

۱ - لایعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السمٰوات ولافی الارض -
القرآن ۳۴ : ۳ -

انبیاء پر نازل ہوئیں یا ان حکمتوں سے، اخذ کیا جو اولیاء سلف پر ظاہر ہوئیں ۔

علم اخلاقیات

علم اخلاقیات میں ان کا سارا کلام صفات نفس ، اخلاق نفس، اس کی قسموں اور نوعیتوں اور کیفیتِ معالجہ اور مجاہدۂ نفس پر منحصر ہے ۔

اور یہ بھی انھوں نے صوفیاء کے ارشادات سے اخذ کیا ہے جو مخالفتِ ہوا و ہوس میں سرگرم ، یاد الٰہی میں مستقل سرشار و مستغرق اور دنیا کے مکر و فریب سے دامن کشاں اللہ تعالیٰ کے راستہ پر رواں دواں ہیں ۔

(صوفیاء کرام) کو اپنے مجاہدات میں نفس کے اخلاق ، عیوب اور آفات جو کچھ منکشف ہوئے ، اس کی انھوں نے تشریح فرمائی ۔ فلاسفہ نے صوفیائے کرام کے ان اقوال کو لے کر اپنے کلام میں سمو دیا تاکہ اس کی تزئین سے اپنے کلام باطن کو ترویج دے سکیں ۔

اور واضح ہو کہ (یہ جماعت) فلاسفہ کے دور میں بھی تھی بلکہ ہر ایک عہد و عصر میں اللہ والوں کی جماعت موجود رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو کبھی بھی ان کے وجود (بابرکات) سے خالی نہیں رکھا ۔ یہ لوگ دنیا کی میخیں (اوتاد) ہیں ۔ انھیں کی برکت سے رحمت الٰہی اہلِ زمین پر نازل ہوتی ہے ۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : انھیں کے طفیل تم پر مینہ برسایا جاتا ہے اور انھیں کے طفیل تمھیں رزق دیا جاتا ہے اور انھیں میں سے اصحاب کہف تھے[1] ۔ جو قرآن مجید کے مطابق سابق زمانوں میں موجود تھے ۔ کلام انبیاء اور کلام صوفیاء کو (جب فلاسفہ نے) اپنی کتابوں میں ملا لیا تو اس سے دو آفتیں پیدا ہوئیں ۔

---

۱ ۔ وبهم تمطرون و بهم ترزقون و منهم كان أصحاب الكهف ۔

۱ - ایک آفت (ان کی کتابوں کے) قائل کے حق میں -

۲ - دوسری آفت (ان کی کتابوں کے) منکر اور تردید کرنے والے کے حق میں - لیکن (فلاسفہ کی) تردید کرنے والے کے حق میں یہ آفت زیادہ عظیم ہے - کیونکہ ضعیف العقل لوگوں کا ایک گروہ ایسا ہے کہ جب وہ (انبیاء اور اولیاء کے) کلام کو فلاسفہ کی کتابوں میں لکھا اور ان کے کلام باطل میں ملا ہوا پاتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو بالکل ترک کر دینا چاہیے اور اس کا ذکر بھی نہ کرنا چاہیے بلکہ جو کوئی اس کا تذکرہ کرے اس کو بھی برا کہنا چاہیے - اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے پہل انہوں نے اس مضمون کو صرف فلاسفہ ہی سے سنا - اس وجہ سے ان کی ضعیف عقل یہی سمجھتی ہے کہ یہ بالکل باطل ہے اور اس کا ماننے والا باطل پرست اور ان کا حال ایسا ہے جیسے کوئی عیسائی سے یہ سنے 'لاإله إلا الله عیسیٰ رسول الله' تو اس کو برا سمجھے اور نہ مانے اور کہے کہ یہ عیسائیوں کا کلمہ ہے لیکن یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ کرے کہ کیا عیسائی کو اس کلمہ کی وجہ سے کافر کہا جاتا ہے یا کہ نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کی وجہ سے کہا جاتا ہے ؟ اور جب ان کو صرف انکار نبوت (حضرت رسالت مآب) کے سبب کافر کہا جاتا ہے تو دیگر امور میں جو فی نفسہ حق ہیں اور کفر نہیں ان کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے - چاہے یہ خود اس کے نزدیک بھی حق ہوں اور یہ ضعیف العقل لوگوں کی عادت ہے کہ حق کو لوگوں کی نسبت سے پہچانتے ہیں، لوگوں کو حق کی وجہ سے نہیں اور عقلمند آدمی حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کرتا ہے - آپ نے فرمایا کہ حق و راستی آدمیوں سے نہیں پہچانی جاتی - تم پہلے حق کو پہچانو! پھر اہل حق کو بھی پہچان لو گے -

عاقل پہلے حق کی معرفت حاصل کرتا ہے پھر نفس قول کی طرف متوجہ ہوتا ہے - اگر وہ حق ہوتا ہے تو اس کو تسلیم کر

لیتا ہے خواہ اس کا قائل اہل باطل میں سے ہو یا اہل حق میں سے ۔ بلکہ وہ گمراہ لوگوں کے اقوال سے حق وراستی کو چن کر الگ کرنے کا شائق ہوتا ہے ۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ سونے کے ساتھ مٹی ملی رہتی ہے اور صراف کے لیے کوئی خطرے کی بات نہیں اگر وہ قلب ساز کی تھیلی میں ہاتھ ڈال دے کیوں کہ وہ اپنی بصیرت سے کام لے کر زر خالص کو کھوٹے اور جعلی سکوں میں سے نکال لیتا ہے ۔ لیکن بصیرت سے خالی (سادہ لوح) دیہاتی کو قلب ساز سے معاملہ کرنے میں روکنا چاہیے ۔

کامل پیراک کے سوا بے وقوف آدمی کو ساحل سمندر پر چہل قدمی سے منع کرنا چاہیے ۔ لڑکے کو سانپ چھونے سے روکنا چاہیے نہ کہ ماہر سپیرے کو اور میرے نزدیک کثرت ایسے (نادان) لوگوں کی ہے جو (بزعم خود) اپنے آپ کو عاقل و ماہر گردانتے ہیں (اور سمجھتے ہیں کہ) حق و باطل کی تمیز میں اور ہدایت و گمراہی کے امتیاز میں انہیں کمال حاصل ہے ۔ ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اہل ضلالت کی کتابوں کے مطالعہ کا دروازہ ایسے افراد پر بند کر دیا جائے ، کیوں کہ وہ اس دوسری قباحت سے محفوظ نہ رہ سکیں گے جس کا ہم ابھی ذکر کریں گے ۔ خواہ اس آفت سے محفوظ رہ جائیں جس کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں ۔

بعض کلمات جو اسرار علوم دین سے متعلق ہم نے کتابوں میں لکھے تو بعض لوگوں نے ان پر اعتراض کیا ۔ یہ (معترضین) وہ لوگ تھے جن کی طبیعت علم دین میں پوری طرح مستحکم نہیں ہوئی تھی اور مذہب کے اعلیٰ درجے کے نتیجے اور اغراض ان کی چشم بصیرت پر منکشف نہیں ہوئے تھے[1] ۔

ان (معترضین) نے سمجھا کہ (ہمارے) یہ کلمات بھی فلاسفہ اولیں سے ماخوذ ہیں ۔ حالانکہ ان میں بعض خود غور و تعمق کا نتیجہ تھے اور یہ بھی بعید نہیں کہ توارد واقع ہو گیا ہو۔ کیوں کہ

---

۱ ۔ یعنی اسرار علوم دین کو نہیں جانتے تھے اور غایات مذہب سے واقف نہ تھے ۔

ایک نقش پا پر دوسرا قدم پڑ جانا بعید نہیں ۔ (ہمارے کلمات میں سے) بعض الہامی کتب شرعیہ میں موجود ہیں اور اکثر صوفیاء کی کتابوں میں (اگر لفظاً نہیں تو) معناً موجود ہیں ۔

اور اگر بالفرض یہ (باتیں) صرف فلاسفہ کی کتابوں ہی میں پائی جاتی ہیں اور فی نفسہ معقول ہیں ۔ دلائل و براہین سے آن کی تائید ہوتی ہے اور کتاب و سنت کے بھی خلاف نہیں ، تو کیا ضروری ہے کہ ان کو ترک کیا جائے یا ان کا انکار کیا جائے ؟ اگر ہم نے (رد و ترک کا) دروازہ اس طرح کھول دیا کہ ہر وہ امر حق جو کسی اہل باطل کے دل میں گزرے اس کو بھی قابلِ ترک سمجھیں تو ہمیں بہت سی حق اور سچی باتیں ترک کرنا ہوں گی اور ہمیں بہت سی آیات قرآنی ، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حکایاتِ سلف ، اور کلمات حکماء اور اقوال صوفیاء کو ترک کرنا ہوگا ۔

کیوں کہ کتاب اخوان الصفا کے مصنف نے اس سب کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے ۔ ان کے ثبوت دیئے ہیں تا کہ بتدریج احمق لوگوں کے قلوب کو اس (کلام حقہ) کی آمیزش سے اپنے باطل موضوع کی طرف راغب کر سکے اور (اس سے یہ بھی لازم آئے گا گا کہ اہل باطل) بہت سے امور حقہ کو ہمارے ہاتھ سے چھین لیں گے ۔ کیوں کہ انھوں نے انھیں اپنی کتابوں میں درج کر لیا ہے ۔

عالم کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ جاہل عامی سے اپنے آپ کو الگ کر سکے ۔ شہد اگر (فصد کھولنے والے) حجام کی سینگی کے اندر بھی ملے تو اس سے کراہت نہ کرے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ سینگی سے شہد کی ذات میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوتا ۔ ہاں اس سے طبیعت میں نفرت جو پیدا ہوتی ہے وہ جہل عام پر مبنی ہے اور اس (خیال) سے پیدا ہوتی ہے کہ سینگی تو گندہ خون لینے کے واسطے بنائی گئی ہے ۔ تو وہ یہ سوچتا ہے کہ خون اس لیے گندہ ہے کہ وہ سینگی میں تھا اور یہ نہیں سمجھتا کہ

خون بذات خود بھی گندہ تھا اور جب یہ صفت شہد میں نہیں پائی جاتی تو صرف اس وجہ سے کہ وہ کسی ایسے ظرف (سینگی) میں تھا یہ صفت (جو باعث خرابی ہے) اس میں پیدا نہیں ہو جاتی اور اس کو خراب اور گندہ خیال نہیں کرنا چاہیے - یہ ایک وہم باطل ہے جو اکثر خلق پر غالب ہے کہ جہاں کسی بات کو ایسے آدمی کی طرف منسوب کیا جس پر انہیں حسن اعتقاد ہے تو اس کو قبول کر لیتے ہیں خواہ وہ (امر) باطل ہی کیوں نہ ہو اور جب اسے کسی ایسے شخص کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس سے انہیں بداعتقادی ہے، تو اس کو رد کر دیتے ہیں خواہ وہ حق اور درست ہی کیوں نہ ہو - یہ لوگ ہمیشہ حق کو آدمیوں سے پہچانتے ہیں ، آدمیوں کو حق سے نہیں[1] - یہ انتہا درجہ کی گمراہی ہے اور یہ وہ آفت ہے (جو فلاسفہ کے اقوال بے سوچے سمجھے) رد کر دینے سے پیدا ہوتی ہے -

دوسری آفت آفت قبول ہے - جو شخص ان کی کتابوں اخوان الصفا وغیرہ کا مطالعہ کرے گا اور ان کے کلام میں احکام نبوت اور کلمات صوفیاء کو دیکھے گا جو انہوں نے ملائے ہیں تو اکثر انہیں پسند کرے گا اور ان کے متعلق حسن اعتقاد رکھے گا اور اس حسن اعتقاد کے سبب وہ ان کے باطل خیالات کو بھی فوری قبول کر لے گا اور انہیں بھی پسند کرے گا جو ان (احکام نبوت و کلمات صوفیہ) کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور اس طرح وہ بتدریج باطل و ضلالت کی طرف مائل ہوتا جائے گا - اس لیے جب کسی کو اس آفت میں گرفتار دیکھا جائے تو ضروری ہے کہ اس کو ان کی کتابوں کے مطالعہ سے روکا جائے - کیوں کہ ان میں خطرہ اور خرابی ہے -

---

۱ - معیار صداقت حق ہونا چاہیے نہ کہ آدمی - بات اگر حق ہے تو خواہ کہنے والا کوئی ہو ، اسے حق ہی سمجھنا چاہیے اور اگر ناحق اور ناروا ہو تو خواہ کہنے والا کیسا ہی عالم و عاقل کیوں نہ ہو اس کو ہرگز کاہ سے زیادہ وقعت نہ دینی چاہیے -

جس طرح چکنے اور پھسلنے والے ساحلوں سے اس شخص کو بچانا ضروری ہے جو اچھی طرح تیرنا نہیں جانتا اسی طرح خلق کو ان کتابوں کے مطالعہ سے بچانا بھی ضروری ہے - جس طرح بچے کو سانپ کے چھونے سے بچانا ضروری ہے اسی طرح کانوں کو اس طرح کے کلمات سننے سے بچانا ضروری ہے -

اور جس طرح ایک ماہر سپیرے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کے سامنے سانپ کو ہاتھ سے نہ چھوئے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ (بچہ بھی) اس کی پیروی کرے گا اور اپنے آپ کو اسی کی طرح سمجھے گا - بلکہ اس پر تو یہ واجب ہے کہ وہ اس کو ڈراتا رہے اور خود بھی اس (بچہ) کے سامنے ڈرتا رہے اور اپنے ہاتھ سے (سانپ کو) نہ چھوئے، اسی طرح عالم راسخ کو کرنا چاہیے -

اور جس طرح ایک ماہر فن سپیرا جب سانپ کو پکڑتا ہے تو تریاق اور زہر میں فرق جانتا ہے اور اس میں سے تریاق نکال لیتا ہے اور زہر کو ضائع کر دیتا ہے اور پھر جس کسی کو تریاق کی حاجت ہو اس کو دینے میں دریغ نہیں کرتا -

اور جس طرح ایک چابک دست اور ماہر فن صراف جب قلب ساز کے تھیلے میں ہاتھ ڈالتا ہے اور اس میں سے خالص سونا نکال لیتا ہے اور کھوٹے اور خراب کو چھوڑ دیتا ہے اور پھر جس شخص کو اس کی شدید حاجت ہوتی ہے اس کو دینے میں دریغ نہیں کرتا اسی طرح عالم کو بھی کرنا چاہیے -

اور جس طرح کہ کوئی تریاق سے اس خیال سے نفرت کرتا ہے کہ وہ سانپ سے نکالا گیا ہے جو زہر کا مخزن ہے، تو اسے سمجھانا چاہیے - ایسے ہی وہ فقیر جو خستہ حال اور مال کا محتاج ہو لیکن سونے کو صرف اس لیے قبول کرنے سے انکار کر دے کہ وہ قلب ساز کے تھیلے میں سے نکالا گیا ہے، اس کی تنبیہہ ضروری ہے کہ اس کی یہ نفرت جہل محض کے سوا کچھ نہیں اور یہ سبب ہے اس فائدہ سے محرومی کا بھی جو اسے مطلوب

ہے - اسے یہ بھی سمجھانا چاہیے کہ کھرے اور کھوٹے کے ملے رہنے سے نہ تو کھرا کھوٹا ہو جاتا ہے اور نہ کھوٹا (سکہ) کھرا بن جاتا ہے - اسی طرح حق اور باطل کی قربت نہ تو حق کو باطل کر سکتی ہے اور نہ ہی باطل حق بن سکتا ہے -

یہ باتیں ہیں جو فلسفہ کی قباحتوں اور آفتوں کے متعلق ہم بیان کرنا چاہتے تھے -

مذہب تعلیم اور اس کی خرابیاں

جب میں علم فلسفہ سے ، اس کی تحصیل ، تفہیم ، تعلیم اور جو کچھ اس میں قابل تردید تھا، اس کی تردید سے فارغ ہوچکا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ بھی میرے مقصد کے لیے کافی نہیں اور عقل سب مطالب پر حاوی نہیں اور تمام مشکل مسائل پر سے نقاب نہیں اٹھا سکتی ۔

فرقۂ تعلیمیہ اس وقت ظاہر ہوچکا تھا اور خلقت میں مشہور تھا کہ وہ حقائق امور کی معرفت امام معصوم سے حاصل کرتے ہیں جو قائم بالحق ہے ۔ مجھے از خود ہی خیال ہوا تھا کہ ان کے مقالات کی تفتیش کروں اور ان کی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اس پر اطلاع حاصل کروں ۔

پھر ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت خلیفہ کی طرف سے میرے نام ایک حکم قطعی پہنچا کہ میں ایک کتاب لکھوں جس میں ان کے مذہب کی کل حقیقت بیان کی جائے ۔ میں اس کو ٹال نہ سکا اور مجبور ہوگیا ۔ یہ ایک طرح کی خارجی تشویق تھی جو اصلی باعث یعنی دلی شوق کا ضمیمہ ہو گئی ۔

میں نے ان کی کتابوں کی تلاش شروع کی اور ان کے مقالات جمع کرنے لگا ۔ میں نے ان کے بعض کلمات سنے تھے جو ہم عصر لوگوں کے تھے ، ان کے بزرگان سلف کے نہ تھے ۔ میں نے ان سب اقوال و کلمات کو جمع کیا ، تحقیق کے ساتھ ان کی ترتیب و تہذیب کی اور ان سب کا مفصل (و مدلل) جواب لکھا ۔ (جب میں ان کے کلام کو جواب دینے کی غرض سے حسب موقعہ جا رہا تھا) تو بعض اہل حق نے ان کے دلائل کی نسبت میرے پر زور انداز بیان کو ناپسند کیا اور کہا کہ :

"یہ تو تم خود گویا ان کے لیے کوشش اور ان کی مدد کر رہے ہو ۔ اگر تم اس طرح کی تحقیق نہ کرتے

اور ترتیب نہ دیتے تو وہ ان شبہات کے مقابلے میں
اپنے مذہب کی تائید و نصرت میں عاجز رہ جاتے۔"

اور یہ اعتراض بھی ایک طرح سے بجا تھا کیوں کہ جب حارث محاسبیؒ اپنی کتاب معتزلہ کے رد میں لکھ رہے تھے تو احمد بن حنبلؒ نے یہی اعتراض کیا تھا۔ اس پر حارثؒ نے کہا :

"بدعت کی تردید فرض ہے۔"

احمدؒ نے جواب دیا۔ ہاں بے شک۔ مگر تم نے پہلے تو ان کے شبہات کو بیان کیا ہے اور پھر اس کے جواب دیے ہیں تو اس کا تحفظ کیا ہے ؟ کہ جو یہ شبہات پڑھے گا وہ انھیں اپنی فہم کے مطابق سمجھ لے گا اور (ہو سکتا ہے کہ) جواب کی طرف متوجہ نہ ہو یا اگر جواب پر نظر ڈالے تو انھیں پوری طرح نہ سمجھ پائے۔

جو کچھ احمد بن حنبلؒ نے کہا وہ حق ہے لیکن یہ صرف ان شبہات کے بارے میں کہا جا سکتا ہے جو شائع اور عام نہ ہوئے ہوں لیکن جو شائع اور عام ہو چکے ہوں ان کا جواب واجب ہے اور ان کا جواب بغیر انھیں دھرائے ہوئے دینا ممکن نہیں۔

ہاں یہ چاہیے کہ جس بات کو انھوں نے تکلف و تفصیل سے بیان نہیں کیا ، اسے بطور خود زیادہ تکلف و تفصیل سے بیان نہ کرے۔ میں نے خود ایسا ہی کیا ہے۔

میں نے یہ شبہات اپنے پاس آنے جانے والوں میں سے ایک ایسے شخص کی زبانی سنے تھے جو پہلے ان کے مذہب پر تھا اور پھر اسے چھوڑ دیا تھا۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ ان کے جواب میں لکھنے والے مصنفین کی کتابوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) یہ مصنفین ہمارے بعض دلائل کو سمجھے ہی نہیں۔ اس نے وہ دلائل بیان کئے اور ان کا خلاصہ نقل کیا۔ میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ وہ مجھے بھی اپنے اصل دلائل سے نا واقف سمجھیں ، اس لیے ان کو میں نے دھرایا اور کہیں وہ یہ خیال نہ

کریں کہ میں نے ان کو صرف سنا ہے اور سمجھا نہیں ، ان کو
میں نے اچھی طرح بیان کر دیا ۔

مقصد میرا یہ تھا کہ پہلے ان کے دلائل کو انتہائی
وضاحت و صحت کے ساتھ بیان کروں اور پھر اسی قدر مستحکم
اور اٹل دلائل کے ساتھ ان کا فساد اور بطلان بھی ثابت کر دوں ۔
حاصل یہ تھا کہ ان (تعلیمیین) کو کچھ حاصل نہ ہؤا اور
(ان کا سارا) کلام لاطائل ثابت ہؤا ۔

اور اگر جاہل دوستوں کی سوء نصرت شامل[1] حال نہ ہوتی
تو یہ بدعت اپنی اس تمام خامی و کمزوری کے باوجود اس درجہ
(شائع و عام) نہ ہوتی ۔

لیکن شدت غیرت نے حامیان حق کو ان (تعلیمیین) کے
ساتھ بحث و نزاع کے طویل کرنے پر اکسایا اور ان کے کلام
کے تمام مقدمات کا جواب دیا اور ان کی ہر بات کی نفی کی ۔
انھوں نے (تعلیمیین کے) اس دعویٰ کی تردید کی کہ :

''تعلیم کی حاجت ہے اور ایک معلم کی ۔''

(اور اس دعوے کی بھی تردید کی کہ) :

''تمام معلم تعلیم حقیقی کے اہل نہیں بلکہ اسے صرف معلم
معصوم ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے ۔''

(لیکن بالآخر تعلیمیین کے) دلائل تعلیم اور معلم کے متعلق
قوی ثابت ہوئے اور ان کے مقابلہ میں تردید کرنے والوں کے
جواب کا ضعف ظاہر ہو گیا ۔ اس سے بعض لوگوں کو دھوکا
ہوگیا اور انھوں نے خیال کیا کہ (اس بات[2] کی وجہ یہ ہے کہ)

---

۱ ۔ یعنی اگر اسلام کے نادان دوست اپنی جماعت سے اس طرح کے
مہمل جوابات نہ دیتے، تو تعلیمیین کے نظریات کو اس طرح کی
تائید و مقبولیت حاصل نہ ہوتی جو انھیں اپنی داخلی خامی
و تناقض کے باوجود ہوئی ۔

۲ ۔ یعنی بعض ضعیف العقل لوگ اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے کہ
(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

ان کا مذہب قوی اور مخالفین کا مذہب ضعیف ہے ۔

اور یہ نہ سمجھے کہ یہ تو مذہب حق کے مؤید و مددگار کی نادانی اور (اپنے مذہب سے) عدم واقفیت پر مبنی ہے ۔ (تردید کا) اچھا طریقہ یہ تھا کہ معلم کی ضرورت کا اقرار کیا جاتا اور معلم معصوم ہونے کی ضرورت بھی تسلیم کی جاتی ۔ لیکن ہمارے معلم معصوم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔

اگر وہ کہتے کہ :

"وہ تو وصال پا چکے ہیں ۔"

تو ہم کہتے :

"اسی طرح تمہارا معلم بھی غائب ہے ۔"

اگر وہ کہیں کہ ہمارے معلم نے بہت سے داعی اور مبلغین تعلیم دے کر اطراف عالم میں پھیلا دیے ہیں اور اگر ان کے مابین کسی امر میں اختلاف ہو تو وہ مشورے کے لیے ان کی واپسی کا منتظر ہے' ۔ تو ہم کہیں گے کہ :

"ہمارے معلم نے بھی دعوت الی الحق کی تعلیم دے کر اطراف و اکناف میں پھیلا دیا ہے اور تعلیم کو اکمل و مکمل کر دیا ہے ۔"

جیسا کہ خود اللہ تبارک و تعالی نے فرمایا ہے :

"میں نے آج تمہارے دین کی تعلیم حد تکمیل تک پہنچا دی اور اپنی نعمت کو تمہارے لیے تمام کر دیا[۱] ۔"

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

تعلیمیین کے دلائل کی قوت ان کے مذہب کی حقانیت کی وجہ سے ہے اور معترضین کے دلائل کی کمزوری ان کے مذہب کی کمزوری کے سبب ۔ یہ بات نہ سمجھے کہ معترضین خود "نادان دوست" کے طبقہ سے متعلق ہیں اور مباحثہ کے اہل نہیں ۔

۱ ۔ الیوم أکملت لکم دینکم وأتممت علیکم نعمتی ۔ القرآن ، ۵ : ۳ ۔

اور تکمیل تعلیم کے بعد معلم کی موت سے کوئی نقصان نہیں جیسا کہ اس کے غائب ہونے سے نہیں -

اور رہا ان کا کہنا کہ :

''جس امر کے متعلق تم نے (بہ صراحت) نہیں سنا تو اس کے متعلق کیا کرتے ہو؟ کیا نص (قرآنی) کے مطابق ؟ مگر تم نے اسے نہیں سنا ! اور اگر اجتہاد اور اپنی رائے کے مطابق کرتے ہو تو باعث اختلاف ہے -''

(اس کے جواب میں) ہم یہ کہیں گے کہ :

''ہم وہی کرتے ہیں جو حضرت معاذ (رضی اللہ تعالی عنہ) نے کیا جب رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے انھیں یمن کا والی بنا کر بھیجا تھا -''

یعنی پہلے نص قرآنی پر عمل کرتے ہیں جہاں نص (صریح) موجود ہو اور جہاں نہ ہو وہاں اپنے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں - بلکہ ان کے تمام داعی جب اپنے امام سے دور ہوکر دور دراز کے علاقوں میں پھیل جاتے ہیں تو یہی کرتے ہیں - کیوں کہ نص صریح تو نہایت محدود ہیں اور ممکن نہیں کہ وہ لا محدود معاملات پر پوری طرح منطبق کی جا سکیں اور (داعیوں کے لیے) یہ بھی ممکن نہیں کہ ہر معاملہ کے لیے وہ امام کے شہر واپس آئیں- ہو سکتا ہے کہ ان کی آمدورفت میں ہی فتویٰ پوچھنے والا انتقال کر جائے اور قطع مسافت کا کوئی فائدہ ہی نہ ہو -

اگر کسی کو قبلہ کے متعلق شک پیدا ہو جائے تو اس کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نہیں کہ وہ اپنے اجتہاد سے نماز پڑھے ورنہ اگر امام شہر سے دریافت کے لیے چل پڑے گا تو نماز کا وقت ہی جاتا رہے گا -

اس لیے اس کی نماز جائز ہوگی خواہ قبلہ سے غلط سمت پر قیاساً ہی کیوں نہ پڑھی گئی ہو اور کہا گیا ہے کہ :

''جو اجتہاد میں خطا کرے اس کے لیے ایک ثواب ہے اور جو صحیح اجتہاد کرے اس کے لیے دو ثواب ہیں -

اور تمام اجتہادات میں ایسا ہی ہے۔"

اور ایسا ہی کسی کا زکاۃ کی رقم کو فقیر کو دینا ہے۔ اس نے اپنے اجتہاد میں اسے فقیر سمجھا مگر وہ باطن میں غنی تھا اور مال چھپا رکھا تھا۔ اس صورت میں اس سے مؤاخذہ نہ ہوگا۔ اگرچہ اس نے خطا کی۔ اس سے کوئی مؤاخذہ نہیں سوائے اسباب قیاس کے (یعنی جن اسباب پر اس نے اپنے قیاس کی بنیاد رکھی)۔ پھر جب وہ کہیں کہ :

"مخالف کا قیاس بھی قیاس ہے۔"

تو ہم یہ کہیں گے کہ :

"ہر شخص صرف اپنے قیاس پر ہی عمل کا پابند ہے جیسا کہ سمت قبلہ کے اجتہاد میں وہ صرف اپنی ہی رائے پر عمل کرتا ہے خواہ دوسروں کا قیاس اس کے بر عکس ہی کیوں نہ ہو۔"

اور جب یہ کہا جائے کہ مقلد تو امام ابوحنیفہ یا امام شافعی رحمہما اللہ وغیرہ کی پیروی کرتا ہے۔

ہم کہیں گے :

"سمت قبلہ کے معاملہ میں مقلد کیا کرے گا جبکہ اس کی سمت میں شبہ ہو اور مجتہدین میں اختلاف رائے؟"

وہ کہے گا کہ :

"سمت قبلہ کی شناخت میں افضل اور بہتر دلائل کا فیصلہ کرنے کے لیے آدمی کو بذات خود اجتہاد کرنا چاہیے اور پھر اس پر وہ عمل کرے اور یہی حال مذاہب میں بھی ہے۔"

خلق کو اجتہاد میں انبیاء اور ائمہ (مجتہدین) کی ضرورت ہے، باوصف اس علم کے کبھی ان سے اجتہاد میں خطا اور غلطی بھی ہو جاتی ہے۔

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

''میں ظاہر پر حکم دیتا ہوں اور اسرار کو اللہ کے علم پر چھوڑتا ہوں ۔''

یعنی میں ظن غالب پر جو گواہوں کی شہادت سے حاصل ہوتا ہے ، حکم دیتا ہوں[۱] ۔

اور کبھی (گواہوں سے) اس میں غلطی بھی واقع ہوسکتی ہے جبکہ اس طرح کے مجتہدات میں انبیاء سے خطاء وغلطی سے ماموں رہنے کی سبیل نہیں تو ہم کیسے اس کی توقع کر سکتے ہیں ۔

اس پر اہل تعلیمیہ دو سوال کرتے ہیں ۔

پہلا تو یہ کہ (یہ امر) مجتہدات میں چل جاتا ہے لیکن قواعدِ عقائد میں درست نہیں ۔ کیوں کہ (اس میں) غلطی کرنے والا مجتہد معذور (وقابل معافی نہیں) پھر اس کی کیا سبیل ہوگی ؟

(اس کے لیے) میرا جواب یہ ہے کہ عقائد کے قواعد (اور اصول) کتاب اور سنت پر مشتمل ہیں ۔ اس کے علاوہ جس قدر تفصیل اور تشریح امور متنازعہ فیہ میں درکار ہے اس کے بارے میں حق وصداقت میزانِ مستقیم میں وزن کرکے معلوم کی جاسکتی ہے اوراس کے معیار و اقدار (وزن) وہی ہیں جو اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں بیان فرمائے ہیں ۔ اور وہ تعداد میں پانچ ہیں ، جنھیں میں نے اپنی کتاب القسطاس المستقیم میں بیان کر دیا ہے ۔

اس پر کہا جا سکتا ہے ممکن ہے کہ آپ کا مخالف آپ کے معیار ومیزان کو تسلیم نہ کرے ۔

میں یہ کہوں گا کہ یہ ممکن نہیں کہ اہل تعلم میں سے کوئی اسے سمجھے اور سمجھنے کے بعد اس کا انکار کردے کیوں کہ میں نے اسے قرآن سے نکالا ہے اور وہیں سے اسے حاصل کیا ہے ۔

اور اہل منطق بھی اس کی مخالفت نہیں کر سکتے کیوں کہ جو شرائط وہ منطق میں قائم کرتے ہیں ، یہ ان کے مطابق ہے ، مخالف نہیں ۔

---

۱ ۔ أنا أحكم بالظاهر والله يتولى السرائر ۔

اور متکلمین بھی اس کی مخالفت نہیں کر سکتے کیوں کہ جس طرح وہ نظریات کے دلائل پیش کیا کرتے ہیں اور علم کلام میں حق ثابت کیا کرتے ہیں ، میرے اصول بھی اسی کے مطابق ہیں -

اور پھر اگر وہ یہ کہیں کہ جب آپ کے پاس ایسی میزان ہے تو خلق کا اختلاف باہمی آپ نے کیوں رفع نہ فرمایا :

اس پر میں کہتا ہوں کہ اگر لوگ بغور میری بات سنتے تو میں ان کا اختلاف رفع کر دیتا -

اور میں نے اپنی کتاب القسطاس المستقیم میں اس اختلاف باہمی کو رفع کرنے کا طریقہ بیان کر دیا ہے اگر اس پر غور و فکر کریں تو آپ دیکھیں گے وہ حق ہے اگر غور سے سنیں تو اختلاف قطعاً دور ہو جائے مگر (کیا کیا جائے) لوگ سنتے ہی نہیں -

لیکن ایک فریق نے اسے کان لگا کر سنا تھا اس کا اختلاف و تفرقہ بالکل ختم ہو گیا -

اور آپ کا امام چاہتا ہے کہ باوجود لوگوں کے نہ سننے کے ان کا اختلاف دور کر دے پھر اب تک ایسا کیوں نہ ہو سکا ؟

بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ایسا نہ کر سکے - حالانکہ وہ اماموں کے سردار و سرور تھے اور یہ دعویٰ کہ امام یہ طاقت رکھتا ہے کہ لوگوں کو اپنے کلام سننے پر (جبراً) مجبور کرے تو اب تک کیوں انہیں مجبور نہ کیا اور کس دن کے لیے اسے اٹھا رکھا ہے؟

کیا (یہ آپ کے امام کے) دعوے کے سبب نہیں کہ عوام میں اختلاف زیادہ اور مخالفت کرنے والے زیادہ ہوگئے - یہاں تک کہ اس اختلاف سے ایک قسم کے سخت ضرر کا خوف پیدا ہوگیا کہ مبادا عام خونریزی ہو ، شہروں کی بربادی ہو اور بچے یتیم ہو جائیں - راستوں میں رہزنی اور مال کی لوٹ مار ہو -

ساری دنیا میں یہ برکات آپ کے اختلاف رفع کرنے سے پیدا ہوئیں اور ایسا اختلاف پیدا ہوگیا کہ اس سے پیشتر دنیا میں

موجود نہ تھا ۔

اور جب وہ یہ کہتے ہیں کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ میں خلق کے درمیان سے اختلاف رفع کروں گا لیکن جو شخص مذاہب متعارضہ اور اختلاف متقابلہ میں حیران ہے اس پر لازم نہیں آتا کہ وہ صرف آپ ہی کی بات سنے اور آپ کے مخالف کی نہ سنے اور آپ کے مخالف کثرت سے ہیں اور (اس کے نزدیک) ان میں اور آپ میں کوئی فرق نہیں اور یہ ان کا دوسرا سوال تھا ۔

میں کہتا ہوں کہ یہ سوال بھی اولاً آپ پر ہی الٹا جاتا ہے ۔ جب آپ اس متحیر اور ڈانواں ڈول شخص کو اپنی طرف بلاتے ہیں تو یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ کو اپنے مخالفوں پر وجہ تفوق کیا ہے جب کہ اکثر اہل علم بھی آپ کے مخالف ہیں ۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ اس کا کیا جواب دیں گے ۔ کیا آپ یہ جواب دیں گے کہ میرا امام منصوص (من اللہ) ہے وہ آپ کے اس دعویٰ نص کو نہ مانے گا ۔ اس نے خود اس نص کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا صرف اس نے آپ کا دعویٰ سنا اور اس کے ساتھ ہی اہل علم کا یہ فیصلہ سنا کہ یہ سب کچھ آپ کی اختراع ہے اور آپ کی تکذیب (سنی) ۔

پھر فرض کیا کہ اس نے آپ کی نص کو تسلیم کر لیا ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اصل نبوت میں متحیر اور (منکر) ہو تو وہ آپ سے کہے کہ بالفرض آپ کا امام حضرت عیسیٰ کی دلیل معجزہ پیش کرے اور کہے کہ میری صداقت کی دلیل یہ ہے کہ میں تیرے باپ کو زندہ کئے دیتا ہوں اور اس نے زندہ بھی کر دیا اور پھر مجھ سے کہا کہ وہ سچا ہے مگر مجھے اس کی صداقت کا یقین کس طرح ہو ؟ اس طرح کا معجزہ تو ساری دنیا کو حضرت عیسیٰ کی صداقت کا بھی یقین نہ دلا سکا ۔ بلکہ اس (طرح کی دلیل) پر تو بہت سے مشکل سوالات وارد ہوتے ہیں ، جنہیں سوائے دقیق عقلی بحث و نظر کے دور نہیں کیا جا سکتا اور نظر عقلی آپ کے نزدیک قابل وثوق نہیں اور کوئی شخص معجزہ کی دلیل سے صداقت کو نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ سحر کو نہ

سمجھتا ہو اور اس میں اور معجزہ میں امتیاز کر سکتا ہو اور جب تک یہ بھی نہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کو گمراہ نہیں کرتا ایسے ہی ''اضلال'' ''گمراہ کرنے'' کے متعلق سوال کو بھی جانتا ہو اور یہ بات مشہور ہے کہ اس کا جواب نہایت مشکل ہے -

پھر ان سب (اعتراضات) کو کس طرح آپ رد کرسکتے ہیں کہ آپ کا امام بہ نسبت اپنے مخالف کے کچھ زیادہ اتباع کا استحقاق نہیں رکھتا - پھر دلائل نظری کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جن کے آپ منکر ہیں؟ اور آپ کا دشمن اسی طرح کے دلائل پیش کرے گا بلکہ ان سے بھی زیادہ واضح -

یہ سوال ان پر اس قدر بین طریقے سے الٹا ہے کہ اگر متقدمین اور متاخرین سب جمع ہو کر جواب دینا چاہیں تو بات بنائے نہ بنے -

اور یہ فساد ضعیف (العقل) لوگوں کے سبب پیدا ہو کر عام ہؤا ، جنھوں نے مناظرہ بازی شروع کی لیکن بجائے (ان کے سوال کو انہیں پر) پلٹنے کے (طول طویل) جواب دینے شروع کر دیئے - اس سے بات بڑھتی ہے - نہ تو (یہ طریقہ) سریع الفہم تھا اور نہ فریق مخالف کو خاموش کرنے والا -

اس پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ (اچھا تو یہ ہوا) ان کے سوال کو ان پر ہی الٹنا مگر (فی الحقیقت) کوئی جواب بھی اس کا ہے ؟ -

ہم کہیں گے کہ ہاں ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی متحیر یہ کہے کہ میں (متلاشی و) متحیر ہوں اور کسی مسئلہ کا تعین نہ کرے جس میں وہ متحیر ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تو ایسا مریض ہے جو کہتا تو ہے کہ میں مریض ہوں لیکن اپنا مرض نہیں بتاتا اور اس کا علاج چاہتا ہے - پھر ہم اس سے کہیں گے کہ مرض مطلق کا کوئی علاج نہیں بلکہ متعین مرض کا علاج (ہوتا) ہے جیسے درد سر ، اسہال وغیرہ -

اسی طرح اس شخص کو بھی اس مسئلہ کا تعین کرنا چاہیے جس میں وہ متحیر ہے ۔ اگر وہ اس مسئلہ کا تعین کرتا ہے تو میں اس کی صداقت انھی پانچ اوزان (و اقدار) میں وزن کر کے اسے بتا دوں گا ۔ جس شخص نے بھی ان اقدار کو سمجھا ہے وہ تسلیم کرتا ہے کہ جو شخص بھی کچھ وزن کرنا چاہے اس کے لیے یہ قابل وثوق معیار و میزان ہے ۔ میزان (و معیار) اور اس کی صحت (و صداقت) کو اسی طرح سمجھا جا سکتا ہے جس طرح حساب کا طالب علم حساب ہی کے ذریعہ یہ دریافت کر لیتا ہے کہ حساب کا استاد اپنے علم سے واقف ہے اور اس کے متعلق صحیح بات کہتا ہے ۔

میں نے اس (مسئلہ) کو اپنی کتاب القسطاس المستقیم میں صرف بیس صفحات کے اندر بیان کر دیا ہے ۔ اسے وہیں دیکھنا چاہیے ۔

اس وقت مقصود ان کے مذہب کے فساد کا بیان نہیں ، اسے تو میں اولاً اپنی کتاب المستظہری میں بیان کر چکا ہوں ۔ ثانیاً اپنی کتاب حجۃ الحق میں جو (دراصل) ان اعتراضات کا جواب ہے جو مجھ پر بغداد میں کئے گئے اور ثالثاً (ایک اور کتاب) مفصل الخلاف اس میں بارہ ابواب ہیں اور یہ ان اعتراضات کے جواب میں ہے جو مجھ پر ھمدان میں کئے گئے ۔

رابعاً ایک کتاب الدرج میں جو نقشوں کی صورت میں مرتب کی ہے اور اس میں ان کے کمزور و ضعیف اعتراضات کا جواب دیا ہے جو مجھ پر طوس میں کئے گئے ۔

اور خامساً کتاب القسطاس المستقیم میں جو بذات خود ایک مستقل کتاب ہے اس کا مقصود علوم (کے پرکھنے) کا معیار و میزان ہے اور اس کا اظہار کہ جس شخص نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا وہ کس طرح امام معصوم کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتا ہے ۔

بلکہ (ہمارا) مقصود یہ ہے کہ ان لوگوں (تعلیمیہ) کے پاس کوئی ایسی شے نہیں جو ان کو ان کے نظریات کی تاریکی سے

نجات دلا سکے ، بلکہ وہ تو اپنے امام کے تعین و نصب پر کوئی دلیل و برہان بھی لانے سے عاجز ہیں ۔ با ایں ہمہ ہم نے اکثر ان کا تجربہ کیا ، ان کی تصدیق بھی کی کہ انہیں تعلیم کی حاجت ہے اور انہیں معلم معصوم کی بھی ضرورت ہے اور ہم نے یہ بھی تسلیم کیا کہ معلم معصوم بھی وہی ہے جسے وہ امام معصوم بتاتے ہیں ۔

پھر جب ہم نے دریافت کیا کہ انھوں نے امام معصوم سے کیا تعلیم حاصل کی اور پھر (اس تعلیم پر) اعتراضات کئے تو وہ ان کو سمجھ تک نہ سکے ، جوابیئ دینا تو درکنار ۔ پھر جب عاجز آگئے تو امام غائب کا حوالہ دیا اور کہا کہ ان کی خدمت میں سفر کرکے جانا چاہیے ۔

اور تعجب تو اس پر ہے کہ انھوں نے معلم کی تلاش میں (اپنی) عمر عزیز ضائع کی اور پھر اس کو پا لینے کی کامیابی پر فخر و غرور کا اظہار بھی کیا لیکن اس سے کوئی ایک بات بھی نہ سیکھی ۔ جیسے کوئی نجاست آلودہ پانی کی تلاش میں مارا مارا پھرے ، جب اسے پانی مل جائے تو اسے استعمال نہ کرے اسی طرح نجاست مین لتھڑا رہے ۔

ان (تعلیمیہ) میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کسی (خصوصی) علم کا دعویٰ کرتے ہیں مگر جو کچھ وہ بیان کرتے ہیں وہ فیثاغورس کے کمزور فلسفہ (سے مستعار لی ہوئی باتوں) کے سوا اور کچھ نہیں اور وہ (فیثا غورس) متقدمین فلاسفہ میں سے ہے جس کا مذہب تمام فلاسفہ کے مذاہب میں سب سے زیادہ کمزور ہے ۔ ارسطو نے اس کی تردید کی ہے بلکہ اس کو کمزور و ضعیف سمجھا ہے ۔ لیکن کتاب اخوان الصفاء میں اسی شخص کی پیروی کی گئی ہے جس کی حیثیت علم فلسفہ میں بالتحقیق حشو سے زیادہ نہیں ۔

تعجب کی بات ہے کہ ایک شخص ساری عمر علم کی طلب میں ضائع کرے اس کے بعد اس قسم کی فاسد اور کمزور معلومات

پر قناعت کر بیٹھے اور اپنی دانست میں سمجھے کہ ہم اعلی مقاصد علم میں کامیاب بھی ہو گئے۔

ان لوگوں کا بھی ہم نے تجربہ کر دیکھا اور ان کے ظاہر اور باطن دونوں کا تفحص کیا۔ اس کا خلاصہ یہی نکلا کہ یہ لوگ سادہ لوح اور ضعیف العقل عوام کو یہ کہہ کر دھوکا دیتے ہیں کہ (تمھیں) معلم کی حاجت ہے اور جب عوام تعلیم کی ضرورت کا انکار کرتے ہیں تو (تعلیمیہ) قوی دلائل سے ان کے ساتھ مباحثہ کرتے ہیں اور لاجواب کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی ان (سادہ لوح عوام) کی حاجت معلم (کے مسئلہ) پر مدد کرے اور (ان کی طرف سے تعلیمیہ سے) کہے: "آپ نے معلم سے تعلیم پائی ہے تو اب ہمیں بھی اس تعلیم سے مستفید فرمائیں۔ تو اس وقت ان تعلیمیہ کی سٹی گم ہو جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ: اب تم نے اس ضرورت کو تسلیم کر لیا ہے تو خود اس کی تلاش کرو۔ ہماری غرض تو صرف اسی قدر تھی (کہ تمھیں ضرورتِ معلم و تعلیم کا قائل کریں) اور وہ اس امر کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اگر اس سے زیادہ تجاوز کیا تو رسوائی ہوگی۔ کیوں کہ وہ نہ صرف معمولی قسم کے مسائل کے حل ہی سے عاجز رہیں گے بلکہ ان کو سمجھ بھی نہ سکیں گے جواب دینا تو درکنار۔

تو یہ ہے ان کی حقیقت حال۔ جب ان کو آزماؤ گے تو ان سے متنفر ہو جاؤ گے ہم نے انہیں آزمایا اور ان سے دست کش ہو گئے۔

طریق صوفیہ کے بیان میں

جب میں ان علوم سے فراغت پا چکا تو صوفیائے کرام کے طریق کی طرف متوجہ ہوا اور میں نے جانا کہ ان کا طریق علم اور عمل دونوں سے پورا ہوتا ہے ۔ ان کے عمل کا نتیجہ اور حاصل یہ ہے کہ نفس کی دشواریاں قطع ہو جاتی ہیں اور وہ اخلاق ذمیمہ اور صفات خبیثہ سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اور قلب غیر اللہ سے خالی ہو کر ذکر الٰہی سے روشن ہو جاتا ہے اور چوں کہ میرے لیے اس علم کا حصول عمل سے آسان تر تھا اس لیے میں نے ان کی کتابوں کے مطالعہ سے ان کے علم کی تحصیل شروع کی ۔ مثلاً (حضرت) ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی قوت القلوب اور الحارث المحاسبی کی کتابیں ، حضرت جنید کے متعلق متفرق واقعات ۔ حضرت شبلی ، بایزید بسطامی قدس اللہ ارواحھم اور انھیں کی طرح کے دیگر مشائخ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ۔

یہاں تک کہ ان کے علمی مقاصد کی ماہیت و حقیقت کو پا لیا اور جو کچھ بھی تعلیم (مطالعہ) اور سماع (گفتگو و مکالمہ) سے حاصل ہو سکتا تھا وہ حاصل کر لیا ۔ لیکن مجھ پر ظاہر ہوگیا کہ ان کے اصل خواص مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتے بلکہ ذوق و حال اور اپنی صفات کو تبدیل کرنے سے حاصل ہو سکتے ہیں ۔

اور کتنا فرق ہے صحت اور شکم سیر کی تعریف اور اس کے اسباب و شرائط کا علم حاصل کرنے میں اور صحت مند اور شکم سیر ہونے میں !

اور کتنا فرق ہے نشہ کی تعریف سیکھ لینے میں کہ وہ ایک ایسی حالت سے پیدا ہوتا ہے جس میں بخارات معدہ سے اٹھ کر دماغ کو چڑھتے ہیں اور اس شخص میں کہ نشے سے چور ہے ! بلکہ نشہ میں چور آدمی نشہ کی تعریف کو سمجھتا ہی

نہیں نہ نشہ کے ماله وما علیه سے واقف ہے ، نہ اس کے متعلق اور کسی شے کا علم رکھتا ہے، اس کے برعکس ہوشمند (نشہ باز کی ضد) آدمی نشہ کو سمجھتا ہے اس کے اسباب کا علم رکھتا ہے لیکن کسی قسم کا نشہ (اس سے اسے) حاصل نہیں ہوتا - اسی طرح طبیب جب خود بیمار ہو تو باوجودیکہ وہ صحت کی تعریف سے واقف ہے اور ادویات کو بھی بخوبی جانتا ہے لیکن اس سے اسے صحت حاصل نہیں ہوتی -

اسی طرح فرق ہے زہد کی حقیقت ، اس کی شرائط اور اسباب کا علم ہونے اور زاہدانہ زندگی بسر کرنے اور نفس کو دنیا سے کنارہ کش کرنے میں — اور میں نے بالیقین یہ معلوم کر لیا کہ صوفیائے کرام ارباب حال ہیں اصحاب قال نہیں اور جہاں تک علم کے ذریعہ سے حاصل کرنا ممکن تھا وہ میں نے کر لیا اور جو کچھ باقی رہ گیا تھا اسے تعلیم (مطالعہ) اور سماع (گفتگو و مکالمہ) سے حاصل کرنا ممکن نہیں سوائے ذوق اور سلوک کے -

اور علوم شرعیہ اور علوم عقلیہ کی تحقیق و تفتیش کے سلسلے میں جن علوم میں مجھ کو مشق و مزاولت تھی اور جن راستوں پر چل چکا تھا ، ان سے مجھے (یہ تین امور) یقینی طور پر حاصل ہو چکے تھے :-

۱- الله تعالیٰ پر ایمان یقینی
۲- نبوت پر ایمان یقینی
۳- اور روز آخرت پر ایمان یقینی

اور ایمان کے یہ اصول ثلاثہ میرے دل میں کسی دلیل معین سے نہیں بلکہ ان اسباب و قرائن اور تجربات سے نہایت مستحکم طور پر جم چکے تھے جو تفاصیل کے متحمل نہیں -

اور مجھ پر یہ امر بھی روشن ہو گیا کہ سعادت آخروی کی توقع سوائے تقویٰ کے اور نفس کو ہوا و ہوس سے بچانے کے نہیں کرنی چاہیے اور ان سب کی اصل علاقۂ دل کو دنیا سے قطع کرنا اور اس دار غرور سے منہ پھیر کر دارالخلود کی طرف رجوع

کرنا اور نہایت ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے اور یہ باتیں مال و جاہ سے روگردانی کرنے اور مشاغل (دنیوی و) علائق سے کنارہ کشی کرنے کے سوا حاصل نہیں ہوتیں -

پھر میں نے اپنے احوال پر غور کیا تو دیکھا کہ میں علائق دنیوی میں گرفتار ہوں جو مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں - پھر میں نے اپنے اعمال کی طرف نظر دوڑائی تو میں نے دیکھا کہ ان میں سب سے اچھا کام تدریس و تعلیم کا ہے لیکن اس میں بھی بہت سے غیر ضروری علوم داخل ہیں جو طریق آخرت میں کچھ مفید نہیں - پھر میں نے تدریس میں اپنی نیت پر غور کیا کہ کیسی ہے ؟ تو ثابت ہوا کہ وہ بھی خالصتاً لوجہ اللہ نہیں بلکہ اس کا محرک اور باعث جاہ کی طلب اور شہرت کی آرزو ہے -

اور مجھے یقین ہو گیا کہ میں گویا بہہ جانے والے ریتلے ساحل پر کھڑا ہوں اور اگر اپنے حال کی تلافی نہ کی تو (دوزخ کی) آگ میں گر جاؤں گا -

میں مدت تک اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہا - زمام اختیار میرے ہی ہاتھ میں تھی (مگر فیصلہ نہ کر پاتا تھا) کبھی تو میں بغداد سے چلے جانے کا اور (دنیوی وجاہت کے) احوال کو ترک کر دینے کا ارادہ کرتا اور کبھی اس سارے عزم ہی سے ہاتھ اٹھا بیٹھتا - ایک قدم آگے بڑھاتا تھا تو دوسرا پیچھے ہٹاتا تھا - اگر صبح کو حصول عقبیٰ کی طلب صادق پیدا ہوتی تھی تو اسی شام کو خواہشات نفسانی کا لشکر حملہ آور ہو کر اسے مغلوب کر دیتا -

شہوات دنیوی اپنی زنجیروں میں جکڑ کر مجھے اسی مقام پر رہنے پر مجبور کرتی تھیں اور دوسری طرف ایمان کا منادی کرنے والا آواز دیتا تھا۔ ”کوچ ! کوچ“ ! عمر بہت تھوڑی رہ گئی ہے اور سفر طویل در پیش ہے اور جو کچھ علم و عمل تیرے گرد و پیش پھولا ہوا ہے وہ بجز ریا و توہم کے اور کچھ نہیں - اگر تم آخرت کے لیے اب تیار نہ ہوئے تو پھر کب ہوگے اور اگر اب ترک علائق نہ کیا تو پھر کب کروگے ؟

ان سب باتوں سے ارادہ میں قوت پیدا ہوئی اور فرار ہونے کا عزم بالجزم پیدا ہوا ۔

شیطان پھر آ کر بہکاتا اور کہتا ۔ ''یہ تو عارضی کیفیت ہے ۔ اس کی پیروی مت کرو ۔ یہ سریع الزوال ہے ۔ اگر اس (خیال موہوم) کی پیروی کر کے اس جاہ و منصب اور شان و شوکت کو جو آج تمھیں بلا خدشہ او بلا کدورت حاصل ہے ، اور دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے بھی محفوظ ہے ، 'چھوڑ دو گے ، تو شاید تمھارا نفس پھر اس کی طرف مائل ہو ۔ پھر یہ اعزاز تمھیں آسانی سے حاصل نہ ہو سکے گا ۔

اوائل رجب[1] ۴۸۸ ہجریؒ سے تقریباً چھ مہینے تک میں شہوات دنیوی اور دواعی آخرت کے درمیان کشاکش و تردد میں مبتلا رہا اور آخر اسی ماہ میں معاملہ میرے حد اختیار سے نکل کر اضطرار و مجبوری تک پہنچ گیا ۔ جب اللہ تعالی نے میری زبان بند کر دی اور پھر میں پڑھا نہ سکا ۔ اگر میں کسی دن کوشش بھی کرتا کہ طلبہ کا دل خوش کرنے کےلیے انھیں کچھ پڑھاؤں تو زبان سے ایک کلمہ بھی نہ نکلتا تھا اور میں کچھ بھی نہیں کر پاتا تھا ۔ زبان کی اس بندش سے دل کو نہایت رنج و قلق ہوا ۔ میری قوت ہاضمہ جاتی رہی اورکھانا پینا ہضم ہونے سے رہ گیا ۔ حتیٰ کہ نہ تو ثرید میرے حلق سے نیچے[2] اترتی تھی اور نہ ہی ایک لقمہ ہضم ہوتا تھا اور سخت ضعف غالب ہو گیا ۔ یہاں تک کہ تمام اطباء علاج سے مایوس ہو گئے اور انھوں نے کہا کہ ''پہلے اس کے قلب کو کوئی صدمہ پہنچا ہے پھر اس نے مزاج کی طرف سرایت کی اور اب اس کا علاج بغیر اس کے ممکن نہیں کہ (دل کو) اس صدمہ و اندوہ سے راحت ہو ۔

پھر جب میں نے محسوس کر لیا کہ میں عاجز محض ہو گیا اور کوئی اختیار باقی نہیں رہا ، تو میں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس طرح

---

۱ ۔ جولائی ۱۰۹۵ عیسوی ۔
۲ ۔ سالن میں چوری ہوئی روٹی ۔

التجا کی جیسے کوئی بے وسیلہ و بے سہارا التجا کیا کرتا ہے ۔ پس اس مجیب الدعوات نے میری التجا قبول فرمائی جو بیقراروں کے التجا کرنے پر ان کی درخواست قبول فرماتا ہے اور اس نے میرے قلب پر جاہ و مال اور اولاد و اصحاب سے روگردانی آسان کر دی ۔

اور میں نے ظاہر کیا کہ میں مکہ کو جانا چاہتا ہوں ۔ لیکن میں نے اپنے آپ کو شام کے سفر کے لیے تیار کیا ۔ یہ احتیاط اس خیال سے تھی کہ کہیں خلیفہ اور جملہ اصحاب میرے قیام شام کے ارادہ سے باخبر نہ ہو جائیں ۔

پھر میں نے بغداد سے نکلنے کا بہلطائف الحیل اس طرح ارادہ ظاہر کیا کہ پھر کبھی یہاں نہیں آؤں گا ۔ اس پر عراق کے علماء و ائمہ نے مجھے تیر ملامت کا نشانہ بنایا ۔ کیوں کہ ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو ان مناصب کے ترک و اعراض کو جو مجھے حاصل تھے ، امر دینی سمجھتا کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ دین کا سب سے اعلی منصب اور مرتبہ یہی ہے (جو مجھے حاصل ہے) اور یہ حال تھا ان کے مبلغ علم کا ! ۔

پھر عوام الناس میں (میرے طرز عمل سے) استنباط میں (طرح طرح کی) پریشان خیالیاں ظاہر ہوئیں ۔ وہ لوگ جو عراق سے دور تھے ، انھوں نے میرے اس عمل کو حکومت کے خوف پر محمول کیا اور جو ارباب حکومت سے قریب تھے وہ مشاہدہ کر رہے تھے کہ کس طرح ارباب حکومت میرے ساتھ تعلقات کی استواری کے لیے بصد الحاح و اصرار کوشاں ہیں اور میں کس طرح ان سے دامن کشاں ہوں ۔ مجھے ان سے بے تعلقی اور ان کے قول (و فعل) سے بے التفاتی ہے ۔ پھر وہ لوگ کہتے کہ یہ امر آسانی ہے اور اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اہل اسلام اور علمائے اسلام کو نظر بد لگ گئی ہے ۔

پھر میں نے بغداد چھوڑ دیا اور جو کچھ مال میرے پاس تھا وہ میں نے دے ڈالا صرف اس قدر رکھ لیا جو کفالت اطفال

کے لیے کافی ہو۔ (جو دے ڈالا وہ) اس لیے کہ عراق کا مال مصالح قومی کے لیے مختص اور مسلمانوں کے لیے وقف ہے اور سارے عالم میں ایسا انتظام نہیں دیکھنے میں آیا۔ (جو مال رکھ لیا وہ اس لیے کہ) عالم اپنے عیال کے لیے جو کچھ اس (مال) میں سے رکھ لے وہ سب سے زیادہ صالح (مال) ہے۔

اس کے بعد میں ملک شام چلا گیا اور وہاں تقریباً دو سال رہا اور اس عرصے میں سوائے گوشہ نشینی و خلوت گزینی، ریاضت ومجاہدہ اور ذکر الٰہی سے تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق کے میرا اور کوئی مشغلہ نہ تھا۔ جس طرح میں نے اسے علم تصوف سے سیکھا تھا۔ دمشق کی مسجد میں ایک عرصہ تک معتکف رہا۔ مسجد کے مینارہ پر سارے دن کے لیے چڑھ کر دروازہ بند کر لیتا تھا۔

اس کے بعد میں دمشق سے بیت‌المقدس گیا اور وہاں الصخرہ میں جا کر اس کا دروازہ بند کرکے بیٹھ جاتا تھا۔ پھر مجھے فریضۂ حج کی ادائیگی کی تحریک ہوئی اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کی خواہش پیدا ہوئی اور خیال پیدا ہوا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلواۃ اللہ علیہ کی زیارت سے فارغ ہو کر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت (پرافاضت) سے مشرف ہوں۔ پھر میں نے حجاز کا سفر کیا۔ اس کے بعد بعض امور اور بال بچوں کے اصرار نے مجھے پھر وطن کی طرف کھینچا اور میں واپس لوٹا اگرچہ میں خلقت کی طرف رجوع کرنے کے لائق نہیں رہا تھا۔

وہاں بھی عزلت گزیں، خلوت پسند اور ذکر الٰہی سے تزکیہ قلب میں مشغول رہا۔

آخر زمانے کے حوادث، عیال و اطفال کی ضروریات اور وجہِ معاش کی تنگی، اصل مقصدِ مراد میں خلل انداز ہوتی تھی اور صفائے خلوت کو مکدر کرتی تھی اور صفائی و جمعیتِ احوال صرف اوقات متفرقہ ہی میں حاصل ہوتی۔ اس کے باوجود میں صفائی

قلب و جمعیت خاطر سے مایوس نہ ہوا اور اگرچہ علایق دنیویہ مجھے اس سے روکتے تھے لیکن میں بار بار اس کی طرف رجوع کرتا ۔ اسی حالت میں دس برس کے قریب گزر گئے ۔ ان خلوتوں اور عزلتوں میں بہت سے امور و اسرار منکشف ہوئے جن کا احاطہ و شمار ناممکن ہے ۔ ان میں سے صرف اسی قدر بیان کرتا ہوں جس سے فائدہ پہنچے ۔ اس عرصہ میں مجھے یقیناً معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالی کے راستہ پر چلنے والے صرف صوفیائے کرام ہیں اور انھیں کی سیرت سب سے اعلی ، انھیں کا طریقہ سب سے درست اور انھیں کے اخلاق سب سے پاکیزہ ہیں ۔ بلکہ اگر کل عقلاء کی عقلیں اور سب حکماء کی حکمتیں اور تمام علمائے شریعت اور واقفانِ علوم دینیہ کے علوم جمع کیے جائیں کہ صوفیائے کرام کے سیرت واخلاق میں کوئی تغیر یا اس سے بہتر کوئی تبدیلی کی جا سکے ۔ تو ایسا کرنے کی کوئی سبیل نہ ہو سکے گی ۔ کیوں کہ صوفیائے کرام کے تمام حرکات و سکنات خواہ ظاہری ہوں یا باطنی ، مشکاۃِ نبوت کے نور سے مقتبس ہیں اور روئے زمین پر کوئی نور سوائے نور نبوت کے ایسا نہیں جس سے اکتسابِ نور کیا جائے اور حاصل کلام یہ کہ کہنے والا ایسے طریقے کے متعلق کہہ ہی کیا سکتا ہے ۔ طہارت جو اس کی شرط اول ہے ماسوی اللہ سے دل کا قطعی پاک و مطہر کرنا ہے اور اس کا پہلا مرحلہ بجائے نماز کی تکبیر تحریمہ کے دل کا کلیۃً ذکر الہی میں مستغرق ہو جانا ہے ۔

اور اس کا آخری درجہ کلیۃً فنا فی اللہ !!

اور فنا کا یہ آخری درجہ (جو ہم نے طریق تصوف کا بیان کیا) درحقیقت اخیر درجہ نہیں اس کا آخری ہونا صرف اس لحاظ سے ہے کہ جہاں تک کسب و اختیار کا تعلق ہے یہ اس کا آخری درجہ ہے ورنہ درحقیقت یہ اول درجہ سلوک کا ہے اور اس سے پیشتر جو کچھ تھا وہ سالک کے لیے مثل دہلیز کے تھا ۔ (یہ وہ طریقہ ہے) جس کے پہلے ہی مرحلہ سے مشاہدات و مکاشفات شروع ہو جاتے ہیں ، یہاں تک کہ وہ عالم بیداری میں فرشتوں

کو اور انبیاء کی ارواح کو دیکھتے ہیں اور ان کی آوازوں کو سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں -

پھر صور و امثال کے اس مقام سے بھی ترقی ہوتی ہے اور ایسے درجات پر فائز ہوتے ہیں کہ ان کے حال کے بیان سے قوت ناطقہ عاجز آ جاتی ہے اور کوئی اس کی تعبیر ایسے الفاظ میں نہیں کر سکتا کہ جو صریح خطا پر مشتمل نہ ہو -

آخر کار مقامِ قربِ الٰہی کے اس درجہ کو پہنچ جاتے ہیں کہ بعض لوگ اسے حلول خیال کرنے لگتے ہیں - بعض اسے اتحاد سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض اسے وصول کا نام دیتے ہیں - مگر یہ سب تعبیرات غلط ہیں ان کے غلط ہونے کی وجہ ہم نے کتاب المقصد الاسنٰی میں بیان کر دی ہے - لیکن ہاں جس نے اس حقیقت کو پالیا ہے وہ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہے -

"جو کچھ تھا بس تھا - کیا اس کا ذکر کروں - یہ سمجھو کہ کوئی بہت اچھی خبر ہے - کیا پوچھتے ہو کہ کیا ہے ؟"

غرض جس شخص کو تصوف کا ذوق نہیں دیا گیا اس کو حقیقت نبوت [1] سوائے اس کے کہ یہ ایک نام (یا لفظ ہے) اور کچھ نہیں معلوم اور اولیاء اللہ کی کرامات فی الحقیقت انبیاء کی بدایات (آغاز و ابتداء) ہیں اور یہ حالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دنوں حاصل تھی جب آپؐ دنیا سے قطع تعلق کر کے غار حرا میں تشریف لے گئے تھے اور وہاں خلوت میں اپنے رب کی عبادت میں مشغول تھے حتی کہ عرب کے لوگ یہ کہتے تھے کہ :

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
اپنے رب پر عاشق ہوگئے ہیں -

یہ وہ حالت ہے جس کو اہل ذوق جو سلوک کے راستہ پر چلتے ہیں بخوبی جانتے ہیں -

---

۱ - وکان ماکان مما لست أذکرہ فظن خیراً ولا تسأل عن الخبر

اور جنھیں یہ ذوق مقدر نہیں کیا گیا وہ تجربے سے اور محض سن کر بھی اسے سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ ایسے لوگوں کی معیت اور ہم نشینی بکثرت اختیار کرے ۔

قرائن احوال سے بھی یہ کیفیت یقیناً سمجھ میں آ سکتی ہے جو شخص بھی اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرے گا وہ ان سے ایمان حاصل کرے گا ۔ یہی ایک گروہ ایسا ہے جن کا صحبت یافتہ کبھی شقی و محروم نہیں رہا ۔

اور جسے اولیاء اللہ کی صحبت میسر نہ ہو وہ بھی دلیل و برہان سے یقیناً اس کا علم حاصل کر سکتا ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب عجائب القلب میں جو احیاء علوم الدین کی کتب میں شامل ہے ، ذکر کر دیا ہے ۔

اس کیفیت کو برہان و دلیل سے حاصل کرنا علم ہے اور اس حالت کی مشق و مزاولت ذوق ہے ۔ سن کر تجربہ کرکے اور حسن ظن سے قبول کرلینا ایمان ہے ۔ یہ تین درجے ہیں ۔

"جو لوگ ایمان لائے ہیں تم میں سے اور جن لوگوں نے علم حاصل کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرتا ہے[1] ۔"

اور ان لوگوں کے سوا ایک قوم جہال ہے ۔ جو اس اصل حالت سے بالکل منکر ہے ۔ یہ لوگ ایسی باتوں کو سن کر متعجب ہوتے ہیں ۔ سنتے ہیں اور مسخرہ پن کرتے ہیں اور کہتے ہیں :

"تعجب ہے ! کیا فضول باتیں کرتے ہیں ۔"

انھیں لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

"بعض ان میں سے ایسے لوگ ہیں جو تمھاری باتیں سنتے ہیں ۔ یہاں تک کہ جب تمھارے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو ان لوگوں سے جو علم والے ہیں، کہتے ہیں کہ دیکھو اس نے آج کیا کہا ؟ یہ وہی لوگ ہیں جن

---

۱ - یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین أوتوا العلم درجات ۔ القرآن - ۵۸:۱۱ ۔

کے دلوں پر اللہ تعالی نے مہر لگا دی ہے ۔ وہ اپنی
ہوا و ہوس کی پیروی کرتے ہیں ، سو اللہ تعالی نے
انہیں بہرا اور اندھا بنا دیا ہے[1] ۔‘‘

صوفیائے کرام کے طریقہ پر گامزن ہونے سے لازماً جو امور
مجھ پر منکشف ہوئے ان میں حقیقت نبوت اور اس کی خاصیت ہے۔
اس کی اصلیت کا واضح کرنا ضروری ہے کیوں کہ اس کی بہت
حاجت ہے ۔

ء

---

۱ ۔ و منهم من يستمع إليك حتى اذا خرجوا من عندك قالوا للذين
أوتوا العلم ماذا قال آنفا ؟ اولئك الذين طبع الله على قلوبهم
و اتبعوا اهواءهم......فاصمهم وأعمى أبصارهم ۱۶ ، ۲۳ -

حقیقت نبوت کے بیان میں

اور اس بیان میں کہ عوام کو اس کی سخت حاجت ہے۔

واضح ہو کہ جوہر انسانی فطرت اصلی میں محض خالی اور سادا پیدا کیا گیا۔ اس کو اللہ تعالی کے عالم ہائے مختلفہ کی کچھ خبر نہ تھی اور اللہ تعالی نے بہت سے عالم پیدا کئے ہیں جن کا شمار اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسا کہ خود اس نے فرمایا ہے:

"تیرے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا[1]۔"

ان عوالم کو انسان صرف ادراک کے ذریعہ ہی جان سکتا ہے اور ہر ایک ادراک اسی لیے پیدا کیا گیا ہے کہ انسان اس کے ذریعہ کسی عالم پر مطلع ہو سکے۔ عوالم سے ہماری مراد موجودات کی مختلف اقسام ہیں۔

انسان میں سب سے پہلی چیز حس لمس پیدا کی گئی۔ جس کے ذریعہ وہ بہت سی موجودات کو پہچان سکتا ہے۔ مثلاً حرارت برودت۔ رطوبت۔ یبوست۔نرمی۔ سختی وغیرھا۔

قوت لمس رنگوں اورآوازوں کو معلوم کرنے سے قطعی قاصر ہے بلکہ اس کے حساب سے تو ان کا وجود ہی نہیں۔

پھر حس بصر پیدا کی گئی۔ صورت و رنگ کی دریافت کے لیے اور یہ حس تمام عالم محسوسات میں سب سے وسیع ہے۔

اس کے بعد سماعت پیدا کی گئی۔ تاکہ اصوات و نغمات سنے جا سکیں۔

۱۔ وما یعلم جنود ربك إلا هو۔ القرآن۔ ۷۴ : ۳۱۔

پھر اس کے بعد قوت ذائقہ پیدا کی گئی -

اور اسی طرح اسے اور قوتیں دی گئیں یہاں تک کہ وہ عالم محسوسات سے قدم بڑھاتا ہے اور اس کے لیے قوت تمیز پیدا کی جاتی ہے اور یہ قریب سات برس کی عمر کے دی جاتی ہے اور یہ طور اس کے اطوار وجود میں ایک نیا ہی ہوتا ہے - جس میں محسوسات سے بڑھ کر وہ زاید امور معلوم کرتا ہے جو عالم حس میں اس سے پیشتر معلوم نہیں ہوتے تھے - اس کے بعد وہ ایک اور قدم ترقی کا بڑھاتا ہے اور اس کو عقل عطا کی جاتی ہے - جس کے ذریعہ وہ امور واجب ، جائز - مستحب اور ایسے ایسے امور دریافت کرتا ہے جو اس سے پیشتر کی حالت میں معلوم نہیں ہوتے تھے- عقل سے وراء الوراء بھی ایک مرحلہ ہے ، جس میں انسان کی ایک اور چشم وا ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ غائب کے امور دیکھ لیتا ہے اور مستقبل کا حال معلوم کر لیتا ہے اور اسی طرح کے دیگر امور جن کے ادراک سے عقل قاصر تھی اسی طرح جیسے قوت ممیزہ قوت عقلی کے امور کی دریافت سے عاجز تھی اور قوت حس ، قوت تمیز کے امور کے ادراک میں درماندہ -

اگر قوت ممیزہ کے سامنے قوت عقلی کے مدرکات پیش کیے جائیں تو وہ اس سے انکار کرے گی اور انہیں ناممکن گردانے گی - بالکل اسی طرح بعض عقلاء و دانشور مدرکات نبوت سے انکار کرتے ہیں اور اسے ناممکن جانتے ہیں حالانکہ یہ ان کی محض جہالت ہے اور ان کے پاس کوئی بنیاد اپنی رائے کی سوا اس کے نہیں کہ انھوں نے اس مرحلے تک ترقی نہیں کی تھی اور اس کی حقیقت کو نہیں پایا تھا اور اس بنا پر (بزعم خویش) یہ سمجھ بیٹھے کہ فی نفسہ اس کیفیت کا وجود ہی نہیں !

جیسے کہ ایک مادر زاد اندھا جو اگر برابر سن کر رنگوں اور شکلوں کا شعور نہ رکھتا ہو اور یک لخت اس کے سامنے الوان واشکال کا ذکر کر دیا جائے تو نہ تو کچھ سمجھ ہی پائے گا اور نہ ان کے وجود کا اقرار کرے گا -

اللہ تعالٰی نے اپنی مخلوق کو خاصیتِ نبوت کا ایک نمونہ عطا فرمایا ہے اور وہ ہے عالم خواب - کیوں کہ عالم خواب میں کبھی ایسے امور جو مستقبل میں وقوع پذیر ہوں ، دریافت ہو جاتے ہیں کبھی بالکل واضح طور پر اور کبھی صورت مثالی میں جس کی اصلیت تعبیر سے ظاہر ہو جاتی ہے - اگر کسی شخص کو بذات خود خواب اور نیند کا تجربہ نہ ہو اور پھر (اس کیفیت کو اس سے بیان کیا جائے کہ) کس طرح آدمی پر غشی ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے - جیسے مر گیا ہو اور اس کا احساس ، اس کی سماعت ، اس کی بصارت جاتی رہی ہو اور پھر وہ امور غیبیہ پر مطلع ہو جاتا ہے ، تو وہ شخص کبھی اس پر یقین نہ کرے گا بلکہ بدلائل و براہین ان کی تردید کرے گا اور کہے گا کہ قوائے حاسہ ادراکِ علم کے اسباب ہیں اور جب ان کے ہوتے ہوئے امور غیبیہ پر مطلع ہو جانا ممکن نہیں تو پھر ان کے کھو جانے پر تو امور غیبیہ بطریق اولٰی بالیقین معلوم نہ ہوتے ہوں گے -

اور یہ قیاس ایسا ہے جس کو واقعات و مشاہدات غلط ٹھہراتے ہیں -

جس طرح عقل آدمی کے اطوار میں سے ایک طور ہے جس کے ذریعہ اسے ایک اور آنکھ حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ بہت سے ایسے معقولات دیکھ لیتا ہے جس کے دیکھنے سے حواس عاجز تھے - نبوت بھی اسی طرح ہے کہ اس کے ذریعہ ایک ایسی آنکھ حاصل ہوجاتی ہے جس میں نور ہوتا ہے اور اس نور سے غیب کی باتیں منکشف ہوتی ہیں اور ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں جن کو عقل دریافت نہیں کر سکتی -

نبوت میں شک واقع ہوسکتا ہے -

۱- یا تو اس کے ممکن ہونے میں -

۲- یا اس کے موجود اور واقع ہونے میں -

۳- یا کسی شخص معین کے لیے اس کے حصول میں -

اس کے امکان کی دلیل (تو خود) اس کا وجود ہے -
(اب رہی) اس کے وجود کی دلیل(تو) دنیا میں بہت سے
علوم موجود ہیں کہ عقل کے ذریعے ان کا تصور
نہیں کیا جا سکتا - مثلاً علم طب اور علم نجوم اور
جو شخص ان علوم کی تحقیق کرتا ہے وہ بالضرور جان
لیتا ہے کہ (ابتداءً) بغیر الہام الہی اور توفیق ایزدی
کے ان علوم کے پیدا ہونے کی صورت نہیں - (اگر کوئی
کہے کہ یہ سب علوم تجربے سے ثابت ہیں اور ثابت
کئے جا سکتے ہیں تو اس کے جواب میں کہا جا سکتا
ہے کہ) اس کے تجربے کی کوئی سبیل نہیں - بعض
احکام علم نجوم کے ایسے ہیں کہ جو ہزار برس میں
ایک مرتبہ واقع ہوتے ہیں (اور تجربہ کئی دفعہ کی
آزمائش کا نام ہے - اس صورت میں کس حکیم و منجم
کی عمر ایسے مسائل کے تجربے کے لیے کیا کافی ہو
سکتی ہے)

پس تجربے سے یہ امور کیسے حاصل ہو سکتے ہیں اور اسی
طرح خواص الادویہ (کا حال ہے) -

اس دلیل سے ان امور کے ادراک کے ایک ایسے طریق کا
امکان ثابت ہوا جو عقل کے ذریعہ دریافت نہیں کئے جا سکتے -

نبوت کا مفہوم بھی اسی نوع کا ہے - بلکہ نبوت کا تمامتر
مفہوم صرف اتنا ہی نہیں - عقل کی حد ادراک سے خارج اشیاء
کو دریافت کرنا تو خواص نبوت میں سے صرف ایک خاصہ ہے
اور نبوت کے خواص کثیر ہیں - بلکہ مذکورہ بالا خاصہ تو اس
کے بحرذخار کا صرف ایک قطرہ ہے - ان کا ذکر بطور خاص
اس لیے کیا گیا کہ تمھارے پاس اس کا ایک نمونہ معاملات
خواب کی شکل میں موجود ہے اور اسی قسم کے دوسرے علوم
بھی تمھارے پاس موجود ہیں مثلاً طب اور نجوم میں اور یہ
انبیاء کے معجزات ہیں اور صرف عقل کے بل بوتے پر عقلاء ان کو
نہیں پا سکتے تھے - ان کے سوا بعض خواص نبوت ایسے ہیں کہ

وہ صرف اس ذوق کے ذریعہ حاصل ہوسکتے ہیں جو تصوف کے راستہ پر چلنے سے حاصل ہوتا ہے ۔ لیکن یہ خاصۂ نبوت تم اس تمثیل سے سمجھ سکتے ہو جو خواب کی شکل میں تمھیں دی گئی ہے اور اگر (یہ حالت خواب) تمھیں نہ دی جاتی تو تم اس کی تصدیق نہ کر سکتے ۔ اگر نبی کے لیے کوئی ایسا خاصہ ہو جس کا نمونہ تمھارے پاس نہ ہو تو تم اسے کبھی سمجھ نہ سکتے ۔ چہ جائیکہ تصدیق کرتے ۔ کیوں کہ تصدیق ہمیشہ سمجھنے کے بعد ہی کی جاتی ہے ۔ یہ نمونہ سلوکِ تصوف کے ابتدائی درجہ میں ہی حاصل ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعہ بقدر تحصیل اسے ذوق بھی نصیب ہو جاتا ہے اور ایک طرح کی تصدیق (ان معلومات کی) بھی مل جاتی ہے جو محض عقل و فکر کی بنا پر حاصل نہیں ہو سکتی تھی ۔

صرف یہ ایک ہی خاصیت اصلِ نبوت پر ایمان لانے کے لیے کافی و وافی ہے ۔ اگر آپ کو کسی خاص آدمی کی نبوت پر شک ہو کہ وہ نبی ہے یا نہیں تو اس کے متعلق یقین اس شخص کے احوال دریافت کرنے سے ہو سکتا ہے ۔ یا تو مشاہدہ سے یا متواتر سماعت سے ۔ کیوں کہ جب تم نے طب یا فقہ کا مطالعہ کیا تو اطباء اور فقہاء کا حال معلوم ہونا ممکن ہو گیا ان کے احوال کے مشاہدہ سے یا ان کے اقوال کی سماعت سے خواہ تم نے ان کو خود نہ دیکھا ہو ۔

اسی طرح تم یہ معلوم کرنے سے عاجز نہیں کہ الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فقیہہ تھے اور جالینوس طبیب تھا ۔ یہ علم تمھارا بطور تحقیق کے ہے ۔ کسی دوسرے کی تقلید کی بنا پر نہیں ۔ بلکہ یہ حاصل ہؤا فقہ اور طب کی تعلیم سے اور ان کی کتابوں اور تصنیفات کے مطالعہ سے اور اس طرح تم نے ان کے احوال کا علم ضروری حاصل کیا ۔ اسی طرح جب تم نبوت کے معنی سمجھ کر قرآن اور حدیث کا بکثرت و بغور مطالعہ کرو گے تو لازمی طور پر یہ جان لو گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعلٰی درجاتِ نبوت پر فائز ہیں ۔

اس امر کی تصدیق و تائید اس طرح ہو جائے گی کہ تم نبی اکرم علیہ الصلٰوۃ والسلام کی عبادت کے بارے میں اقوال کا

تجربہ کر کے دیکھو جو تصفیہ قلب پر ان کی تاثیر کے بارے میں ہیں ۔ آپ ؐ نے کتنا سچ فرمایا کہ :

''جو شخص اپنے علم پر عمل کرے گا اللہ تعالٰی اسے اس علم کا وارث کر دے گا جو وہ نہیں جانتا[1] ۔''

اور کس قدر سچا ہے آپ ؐ کا قول :

''جو ظالم کی مدد کرتا ہے اللہ تعالٰی اسی ظالم کو اس پر مسلط کر دیتا ہے[2] ۔''

اور کیا ہی سچ ہے آپ ؐ کا فرمانا :

''جو شخص صبح کو اٹھے اور اسے صرف ایک ہی فکر ہو (اور وہ تقویٰ ہو) اللہ تعالٰی اس کے دنیا اور آخرت کے غم رفع کر دیتا ہے[3] ۔''

جب تم اس کا تجربہ ہزار اقوال میں، دو ہزار اقوال میں، ہزارہا اقوال میں کرو گے تو لازمی طور پر تم سمجھ لو گے کہ ان میں کوئی شک نہیں ۔ بس اس طریقے سے نبوت میں ایقان تلاش کرو ۔ لاٹھی کے سانپ بن جانے یا چاند کے شق ہو جانے سے نہیں ۔ کیوں کہ جب تم کسی ایسے معجزے کی طرف نظر دوڑاؤ گے اور متعدد قرائن جو خارج سے اس کی تصدیق نہ کرتے ہوں اس کے ساتھ شامل نہ ہوں تو تم گمان کر سکتے ہو کہ شاید وہ جادو ہو یا خیال بندی ہو یا اللہ تعالی کی طرف سے گمراہی میں ڈالنے کے ہو ۔

''تحقیق اللہ تعالی جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے[4] ۔''

اور اس طرح معجزے کا مسئلہ خود تمھارے اوپر ہی الٹ جائے گا ۔ کیوں کہ اگر تمھارا ایمان ایسے کلام کی سند پر ہوگا جو

---

۱ ۔ من عمل بما علم ورثه الله علم ما لايعلم ۔

۲ ۔ من أعان ظالماً سلطه الله عليه ۔

۳ ۔ و من أصبح و هومه هم واحد كفاه الله تعالىٰ هموم الدنيا والآخرة ۔

۴ ۔ يضل من يشاء و يهدى من يشاء ۔ القرآن ۔ ۳۵ : ۸ ۔

دلالت معجزہ میں سلسلہ وار ہو تو اس میں شک و شبہہ مرتب و مدلل کلام سے پیدا کرکے تمھارا ایمان متزلزل کیا جا سکتا ہے۔

اس طرح کے خوارق کو تمھاری نظر میں جتنے دلائل و قرائن (اثبات نبوت کے) ہیں، ان میں سے صرف ایک دلیل سمجھنا چاہیے۔ تاکہ (تمھیں ان مجموعہ دلائل و قرائن سے) ایک ایسا ضروری علم (نبوت کا) حاصل ہو جائے جس کی سند میں کسی ایک متعین دلیل کا ذکر کرنا ممکن نہ ہو۔ جس طرح کسی شخص کو کوئی خبر متواتر اور مسلسل ایک جماعت سے حاصل ہو لیکن اس کے لیے ممکن نہ ہو کہ وہ یقین کے ساتھ اسے کسی معین شخص واحد کے قول سے مستفاد ٹھہرا سکے۔ بلکہ اس کے ذریعے کا علم بھی نہیں ہوتا اور اس جماعت اور گروہ سے خارج بھی وہ ذریعہ نہیں ہوتا اور نہ کسی معین شخص واحد ہی کو (اس کا ذریعہ) قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہی علم قوی ایمانِ علمی ہے۔

(اور جو نبوت کا علم) بطور ذوق کے ہو تو وہ مشاہدہ کا حکم رکھتا ہے۔ گویا اس کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔ (اس قسم کا علم و یقین) سوائے طریق صوفیاء کرام کے حاصل نہیں ہوتا۔

نبوت کا اسقدر بیان اس مقصد کے لیے کافی ہے جس کو میں اب یہاں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ آئندہ اس کی ضرورت کا ذکر کروں گا۔

نشر و اشاعت علم کی طرف رجوع

جب میں نے تقریباً دس برس عزلت گزینی اور خلوت نشینی اختیار کی تو اسی اثناء میں مجھے لازمی طور پر اس امر کا علم بے شمار اسباب و وجوہات سے حاصل ہوا - کبھی ذوق سے کبھی دلیل و برہان کے ذریعہ ، کبھی قبول ایمانی کے وسیلہ سے -- کہ انسان دو چیزوں سے بنا ہے - جسم اور قلب -

اور دل سے یہاں میری مراد حقیقت روحانی ہے جو اللہ تعالی کی معرفت کا محل ہے - وہ خون و مضغہ گوشت نہیں جو (انسان کے ساتھ) مُردوں اور جانوروں میں بھی موجود ہے اور جس طرح بدن کی ایک حالت صحت ہے جو اس کی سعادت کا موجب ہے اور ایک حالت مرض ہے جو اس کے لیے ہلاکت کا باعث ہے - اسی طرح دل کے لیے بھی صحت و سلامتی ہے جس کے لیے کہا گیا ہے -

"نجات نہیں پائے گا مگر وہی شخص جو خداوند تعالی کے حضور قلب سلیم لے کرحاضر ہؤا[1] -"

اور اس کے لیے (حالت) مرض ہے جس میں اس کی ابدی اور آخروی ہلاکت ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

"ان کے دلوں میں مرض ہے[2] -"

اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ جھل باللہ[3] سمّ قاتل ہے

---

۱ - یوم لاینفع مال ولا بنون إلامن أتی اللہ بقلب سلیم - القرآن - ۲۶ : ۸۸ -

۲ - فی قلوبھم مرض - القرآن - ۲ : ۱۰ -

۳ - حق تعالی کو نہ جاننا اور نہ ماننا -

اور نفس و ہوا کی پیروی کرکے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے مرض پیدا ہوتا ہے -

اور اللہ تعالیٰ کی معرفت تریاق جاں بخش ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت جو نفس کی مخالفت ہے اس کے لیے دوائے شافی - اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ علاجِ قلب ، مرض کا ازالہ اور صحت کا حصول سوائے دواؤں کے اور نہیں جس طرح کہ بدن کے علاج کی سبیل بھی یہی ہے -

جس طرح ادویہ جسانی صحت کے حصول میں اپنی ان ذاتی خواص کے باعث مؤثر ہیں جنھیں عقلاء اپنے سرمایہٗ عقل سے دریافت نہیں کر سکے - بلکہ وہ اس میں لازمی طور پر اطباء کی تقلید پر مجبور ہیں جنھوں نے اس کو انبیاء سے اخذ کیا تھا - جنھیں شرف نبوت کی وجہ سے خواص اشیاء (اور تاثیرات ادویہ) کا علم ہوا تھا -

اسی طرح مجھے لازمی طور پر علم ہوا کہ ادویہٗ عبادات بھی ہیں اور ان کی حدود اور مقادیر انبیاء نے مقرر کی ہیں - ان کے اثروتاثیر کی وجہ اور سبب عقلاء کے سرمایہٗ عقل سے دریافت نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے انبیاء کی تقلید لازمی ہے جنھوں نے (اس قسم کے خواص عبادات کو) سرمایہٗ عقل سے نہیں بلکہ نور نبوت کے ذریعہ دریافت کیا -

اور جس طرح کہ ادویہ کو مختلف قسم اور مختلف وزن کے اجزاء سے ترکیب دیا جاتا ہے اور بعض وزن اور مقدار میں دوسرے سے دوگنے ہوتے ہیں اور اس اختلاف اوزان کا بھی ایک سر اور راز ہے جو خواص (اشیاء) کی قسم کا ہے -

اسی طرح عبادات ہیں جو امراض قلب کی ادویہ ہیں - یہ مرکب ہیں مختلف نوع اور مقدار کے افعال سے - جیسے سجدہ رکوع سے دگنا رکھا گیا ہے اور صبح کی نماز مقدار میں نماز عصر سے نصف اور (یہ صورت بھی) اسی طرح کے سر و راز سے خالی نہیں جو خواص (ادویہ) میں رکھا گیا ہے - جس پر سوائے بذریعہ نور نبوت کوئی اطلاع نہیں پا سکتا -

اور جس شخص نے اپنی عقل کے ذریعہ اس کی حکمت دریافت کرنے کا ارادہ کیا - اس نے نہایت حماقت اور جہالت کا اظہار کیا - یا اس نے یہ گمان کیا کہ (اعداد رکعت ، ارکان صلاۃ اور دیگر عبادات کی کمی بیشی) محض امر اتفاق ہے اور اس میں کوئی سر الہی نہیں جو بالخاصیت اس کا مقتضی ہو (تو اس نے بھی اپنی حماقت اور جہالت کا اظہار کیا) ۔

اور جس طرح ادویات میں (اجزاء دو قسم کے ہوتے) ہیں - ایک تو اصول جن کو ارکان کہتے ہیں (یعنی دوا کے بنیادی یا اصل اجزاء) اور دوسرے زواید جو ان کے متمم (کامل کرنے والے) - ان میں سے ہر ایک کو ان اصول (اجزائے بنیادی) کے اعمال میں خاص تاثیر حاصل ہے - اسی طرح سنن و نوافل ارکان عبادات کا تکملہ کرنے والے ہیں - حاصل کلام یہ کہ انبیاء امراض قلوب کے اطباء ہیں اور عقل کا فائدہ اور تصرف صرف اتنا ہے کہ اس نے صداقت نبوت کی شہادت دے کر ہمیں اس سے آگاہ کیا اور جو کچھ چشم نبوت سے دیکھا جا سکتا ہے اس کے ادراک میں اپنے آپ کو عاجز پا کر ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں اس طرح اس کے حوالے کر دیا جس طرح اندھوں کو ان کے رہبروں کے حوالے کیا جاتا ہے یا پریشان حال مریضوں کو مشفق طبیبوں کے -

بس یہاں تک تو عقل جا سکتی ہے اس کے بعد وہ معزول ہے - اس کے سامنے راہ نہیں - جو کچھ طبیب اسے بتا دے اس کے سوا وہ اور کچھ معلوم نہیں کر سکتی - یہ وہ امور ہیں جو عزلت و خلوت نشینی کی اس مدت میں مجھے بالضرورت مشاہدہ کے ذریعہ معلوم ہوئے -

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اصل نبوت کے متعلق ، اور حقیقت نبوت کے متعلق اور جن اعمال کی تشریح (حضرت) نبوت نے فرمائی ہے اس کے متعلق (لوگوں کے) اعتقادات میں فتور ہے اور مجھے یہ بھی بالتحقیق معلوم ہوا کہ خلق میں یہ بات عام طور پر پھیلی ہوئی ہے - پھر میں نے خلق کے فتور اخلاق اور ضعف ایمان کے اسباب میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ چار ہیں -

۱ - ایک سبب ان لوگوں کی جانب سے ہے جو علم فلسفہ میں غور و خوض کرتے ہیں -

۲ - ایک سبب ان لوگوں کی جانب سے ہے جو طریقۂ تصوف میں غور و خوض کرتے ہیں -

۳ - ایک سبب ان لوگوں کی جانب سے ہے جو دعویٔ تعلیم سے منسوب ہیں -

۴ - اور ایک سبب ان لوگوں کی جانب سے ہے جو عوام میں عالم کے نام سے موسوم ہیں -

اس کے بعد میں مدت تک عام لوگوں سے پوچھتا رہا کہ شریعت کی متابعت میں تم سے کیوں کوتاہی ہوتی ہے ؟ اور ان سے ان کے شبہات کے متعلق سوال کرتا اور ان کے عقیدے اور راز دل کے متعلق سوالات اور بحث کرتا اور ان سے پوچھتا کہ :

''کیا وجہ ہے کہ تم شریعت کی متابعت نہیں کرتے ؟ اور اگر تم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس کے لیے تیاری کیوں نہیں کرتے ؟ اور اس کو دنیا کے عوض فروخت کرتے ہو اور یہ حماقت ہے ! کیوں کہ تم دو (روپے) کو ایک (روپیہ) کے عوض نہیں دیتے پھر تم کس طرح لامحدود مدت (آخرت) کو گنتی کے چند دنوں کے بدلے فروخت کرتے ہو ؟ اور اگر (ان امور پر) تمھارا ایمان نہیں تو تم کافر ہو - تمھیں چاہیے کہ اپنے نفس کو طلب ایمان پر راغب کرو اور غور کرو کہ تمھارے کفر خفی کا سبب کیا ہے - کیوں کہ باطناً یہی تمھارا مذہب ہے اور اسی نے تمھیں ظاہر میں اس پر جرأت دلائی ہے اور تم (اس کفر خفی کو) ظاہر نہیں کرتے ایمان کی عظمت یا شرع کے شرف و دبدبہ کے سبب -''

اس پر وہ کہتا ہے کہ اگر (شریعت کی) محافظت واجب ہوتی تو علماء اس التزام کے زیادہ تر مستحق تھے - لیکن مشہور فضلاء میں سے فلاں نماز نہیں پڑھتا اور فلاں شراب پیتا ہے اور فلاں اوقاف

اور یتیموں کا مال کھاتا ہے اور فلاں سلطان سے وظیفہ پاتا ہے اور حرام سے پرہیز نہیں کرتا اور فلاں فیصلے یا شہادت کے لیے رشوت طلب کرتا ہے اور ایسی ہی دوسری باتیں۔

اور دوسرا دعوی دار ہے کہ میں علم تصوف کا ماہر اور اس مرتبہ پر فائز ہوں جہاں عبادت کی کچھ حاجت نہیں، اور تیسرے نے اہل اباحت کے شبہات اٹھائے اور اہل اباحت وہ فرقہ ہے جو تصوف کی راہ سے بھٹک کر گمراہ ہو گیا۔ چوتھا جو اہل تعلیم سے مل چکا تھا، کہتا ہے۔ "امر حق مشکل ہے اور اس کا راستہ بند ہے اور اس میں اختلاف بھی بہت زیادہ ہے اور ایک مذہب کو دوسرے پر فوقیت نہیں۔ عقلی دلائل باہم متعارض ہیں اور اہل الرائے کی بات کا اعتماد نہیں۔ تعلیم کا داعی قول فیصل رکھتا ہے اس کے ہاں محبت کی ضرورت نہیں۔ پھر میں کس طرح یقین کو شک کے لیے چھوڑ سکتا ہوں" اور پانچویں نے کہا: "میرا یہ فعل صرف تقلید کے سبب نہیں بلکہ میں نے علم فلسفہ پڑھا، حقیقت اور حقیقت نبوت کو سمجھا اور (یہ بھی سمجھا کہ) اس کا ماحصل حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اور ان کی عبادات کا مقصد عامۃ الخلائق کو ضبط میں رکھنا اور ان کو جدال و قتال سے روکنا اور شہوات میں نہ ڈوبنے دینا ہے اور میں جاہل عوام میں سے نہیں کہ تکالیف شرعیہ میں پڑتا پھروں۔ میں تو حکماء میں سے ہوں اور حکمت کا تابع ہوں اور اسی کی روشنی میں سب کچھ خود دیکھ لیتا ہوں۔ اس سبب سے میں تقلید سے مستغنی ہوں۔

یہ آخری درجہ ان لوگوں کے ایمان کا ہے جنھوں نے علم فلسفہ الٰہیات پڑھا ہے جیسا کہ تم ابن سینا اور ابو نصر فارابی وغیرہ کی کتابوں سے پڑھ سکتے ہو۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام کا بظاہر احترام کرتے ہیں اور شاید ان میں سے کسی کو تم قرآن پڑھتے بھی دیکھ لو اور شاید جمعہ کی نماز اور دوسری نمازوں میں بھی نظر آ جائیں اور زبان سے شریعت کی تعظیم بھی کرتے ہوں، لیکن بایں ہمہ نہ تو شراب

خواری ترک کرتے ہیں اور نہ ہی طرح طرح کے فسق و فجور سے باز آتے ہیں ۔

اور اگر اس سے کہا جائے کہ :

''جب نبوت برحق نہیں تو تم نماز کیوں پڑھتے ہو؟''

شاید وہ جواب دے کہ :

''جسمانی ورزش کے لیے یا اس شہر کا یہی دستور ہے یا اپنے مال و اولاد کے تحفظ کی خاطر ۔''

اور شاید وہ کہے کہ :

''شریعت صحیح اور نبوت حق ہے ۔''

پھر جب اس سے کہو کہ :

''پھر شراب کیوں پیتے ہو ؟''

تو شاید وہ جواب دے :

''اس کو نشہ کے سبب منع کیا گیا ہے اور اس سے عداوت اور بغض پیدا ہوتا ہے ، اور میں تو حکمت (و دانائی) کے سبب ان سے محترز ہوں ۔ میں تو اس کو صرف اس لیے پیتا ہوں کہ وہ طبیعت کو تیز کرتی ہے ۔''

یہاں تک کہ ابن سینا نے بھی اپنی وصیت میں تحریر کیا ہے کہ :

''میں نے اللہ تعالیٰ سے ایسا ایسا کرنے کا عہد کیا کہ اوضاع شرعیہ کی تعظیم کروں گا اور عبادات دینیہ میں تقصیر نہیں کروں گا اور شراب لہو و لعب کےلیے نہیں بلکہ صرف دواءً ''شفاء کے لیے پیوں گا'' ۔ صفائی ایمان اور التزام عبادت میں یہ اس کی منتہی حالت تھی کہ شفا و علاج کے لیے شراب خواری کا استشناء کر لیا اور یہ ہے وہ ایمان جس کا (حکمت پڑھنے والے) دعویٰ کرتے ہیں اور کچھ لوگ ان کے دھوکا میں آ جاتے ہیں ۔''

معترضین کے (فلاسفہ پر) ضعیف اعتراضات کے سبب یہ دھوکا اور بڑھ جاتا ہے۔ کیوں کہ معترضین علم ہندسہ اور منطق سے انکار کرتے ہیں اور اسی قسم (کے دوسرے اعتراضات کرتے ہیں) جنھیں یہ (فلاسفہ) لوگ اچھی طرح جانتے ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

عزلت سے نشر و اشاعتِ علم کی طرف رجوع

جب میں نے لوگوں کی مختلف اصناف کو دیکھا کہ ان اسباب کی وجہ سے ان کا ایمان اس حد تک کمزور ہو گیا ہے تو میں نے اپنے لیے ضروری و لازمی سمجھا کہ اسی شبہے کو دور کرنے کے لیے جدوجہد کروں اور ان سب گروہوں کی حقیقت حال کا انکشاف کرنا میرے لیے پانی پینے سے زیادہ آسان تھا کیونکہ ان کے علوم اور طریقوں میں میں بہت زیادہ غور و خوض کر چکا تھا۔ ان کے علوم اور طریقوں سے میری مراد صوفیہ ، فلسفیوں ، جماعت تعلیمیہ اور ممتاز علماء کے علوم اور طریقے ہیں۔ اس حالت میں میرے اندر یہ ایقان ابھرا کہ اس وقت اس کام کا کرنا متعین اور حتمی ہے اس لیے تمھارا خلوت و عزلت نشینی اختیار کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا جب کہ بیماری عام ہو چکی ہے۔ خود طبیب بھی بیمار ہیں اور مخلوق ہلاکت کے کنارے پہنچ گئی ہے۔

پھر میں نے اپنے آپ کو کہا کہ جب تم اس گورکھ دھندے کو بے نقاب کرنے اور اس اندھیرے سے ٹکر لینے میں مصروف کار ہو گے اور یہ زمانہ ضعف و کسل مندی اور یہ دور باطل کا ہے۔ اگر تم انھی گروہوں کے طریقوں پہ مخلوق کو حق کی طرف دعوت دینے میں مشغول ہو گئے تو یہ تمام اہل زمانہ تمھارے دشمن ہو جائیں گے۔ اس حالت میں تم کیسے آن کا مقابلہ کر سکو گے اور کس طرح ان میں زندگی گزار سکو گے۔ یہ جو تم نے ارادہ کیا ہے ، اس کی تکمیل اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ زمانہ سازگار ہو اور ایک متدین

و زبردست سلطان موجود ہو ۔ چنانچہ میں حسب سابق عزلت نشینی پر قائم رہنے اور حق کے اظہار میں اس دلیل کے ذریعہ عاجز ہونے کو اپنے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے "رخصت" قرار دیتا رہا ۔ پس اللہ کی طرف سے یہ مقدر تھا کہ اس نے سلطان وقت کے دل کے اندر ایک تحریک پیدا کی اور یہ تحریک خارج سے نہ تھی ۔ چنانچہ اس نے نیشاپور جانے کا تاکیدی حکم دیا تا کہ اس فتنے کا سد باب کیا جائے ۔ اس حکم میں اس حد تک تاکید تھی کہ اگر میں اس کی خلاف ورزی پر اصرار کرتا تو نوبت سلطان کی بر افروختگی تک پہنچ جاتی ۔ اس وقت میرے دل میں یہ بات آئی کہ اب تو "رخصت" کا سبب بھی کمزور ہو گیا ہے اس لیے تمھارے لیے یہ مناسب نہیں کہ تمھاری عزلت نشینی کا باعث کسل مندی و آرام طلبی ، عزت نفس کی خواہش اور حق کی راہ میں اذیت سے بچنے کا جذبہ ہو اور پھر تم اپنے نفس کو مخلوق کا مقابلہ کرنے کی سختی سے کیسے "رخصت" کا مستحق قرار دے سکتے ہو ۔ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

" کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ چھوٹ جائیں گے اتنا کہہ کر کہ ہم یقین لائے اور اُن کو جانچ نہ لیں گے ، اور ہم نے جانچا ہے اُن کو ، جو اُن سے پہلے تھے ، سو البتہ معلوم کرے گا اللہ جو لوگ سچے ہیں ، اور البتہ معلوم کرے گا جھوٹوں کو[1] ۔"

نیز اللہ عز و جل اپنے رسول سے جو اس کی مخلوق میں سب سے بڑھ کر عزت والا ہے ۔ مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے :

---

۱ ۔ الم أحسب الناس أن یترکوا أن یقولوا آمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکذبین ۔ (القرآن ۔ ۲۹ : ۱ - ۳)

''اور جھٹلائے گئے ہیں بہت سے رسول تجھ سے پہلے ، پس صبر کرتے رہے جھٹلانے پر ، اور ایذا پر ، یہاں تک کہ پہنچی اُن کو مدد ہماری ، اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ کی باتیں ، اور تجھ کو پہنچ چکے ہیں کچھ حالات رسولوں کے ۱ ۔''

اللہ تعالی کا ایک اور ارشاد ہے :

''قسم ہے پکّے قرآن کی ، تُو تحقیق ہے ، بھیجے ہوؤں میں سے ، اوپر سیدھی راہ کے، اتارا زبردست رحم والے نے۔ تاکہ تو ڈرائے ایک قوم کو ، کہ ڈر نہیں سنا ان کے باپ دادوں نے ، سو اُن کو خبر نہیں ۲۔''

اس بارے میں میں نے اہل دل اور اصحاب مشاہدات روحانی کی ایک جماعت سے مشورہ کیا - انہوں نے مجھے عزلت ترک کرنے اور زاویہ نشینی چھوڑنے کا اشارہ کیا ، میں نے اس سے اتفاق کیا ۔ نیز اس کے ساتھ صالحین و نیکوکاروں کی بہت سی ، اور پے در پے خوابیں بھی شامل ہوگئیں، اور ان سب نے اس امر کی تائید کی کہ دل میں اُٹھنے والی یہ تحریک نیکی اور ہدایت کی تحریک ہے اور ہر سو سال کے سرے پر اللہ تعالیٰ نے اسے مقدر کر رکھا ہے ۔ بے شک اللہ سبحانہ نے ہر سو سال کے سرے پر اپنے دین کے احیاء کا وعدہ کیا ہے ۔ چنانچہ ان شہادتوں کی وجہ سے آمید کو تقویت ملی ، حسن ظن غالب آیا اور اللہ نے اس مہم کو ہاتھ میں لینے کے لیے نیشا پور کی طرف جانا آسان کر دیا ۔ یہ ۴۹۹ ہجری ذی القعدہ کا واقعہ

---

۱ - و لقد کذبت رسل من قبلك فصبروا علیٰ ما کذبوا و أوذوا حتی أتاهم نصرنا و لا مبدل لكلمت الله ولقد جاءك من نبأ المرسلين ۔ (القرآن ، ٦ : ۳۴)

۲ - یٰسین و القرآن الحکیم إنك لمن المرسلين علیٰ صراط مستقیم تنزیل العزیز الرحیم لتنذر قوماً ما آنذر آباؤهم فهم غافلون ۔ (القرآن ، ۳٦ : ۱ - ٦)

ہے - میں نے اس سے پہلے بغداد کو بھی ذی القعدہ میں چھوڑا تھا لیکن وہ سن ۴۸۸ ہجری تھا - میری اس عزلت کی مدت گیارہ سال رہی -

اس مہم کو ہاتھ میں لینے کی یہ جو دل سے تحریک آٹھی تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تھی جو اس طرح بروئے کار آئی اور ایسا ہونا اس کی تقدیر کے عجائبات میں سے تھا - اس عزلت کے تمام زمانے میں اس طرح کی تحریک دل میں کبھی نہیں آٹھی تھی - اسی طرح بغداد کو چھوڑنے اور ان احوال سے کنارہ کشی کے امکان کا خیال بھی کبھی دل میں وارد نہ ہوا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو دلوں اور حالات کو بدلنے والا ہے - ''مؤمن کا دل رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے[1]''

میں یہ جانتا ہوں کہ جب بھی کبھی میں علم کی نشر و اشاعت کی طرف لوٹوں گا تو یہ لوٹنا میری اُس حالت کی طرف نہیں ہوگا، جو پہلے تھی۔ اُس زمانے میں میں اُس علم کی نشر و اشاعت کرتا تھا جو جاہ و منصب کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے - میں اُس علم کی طرف اپنے قول و عمل سے دعوت دیتا تھا اور یہی میرا مقصد ہوتا اور یہی نیت بھی - باقی اب میں اُس علم کی طرف دعوت دوں گا جو ذریعہ ہوگا ترکِ جاہ و منصب کا اور اُس سے مرتبۂ جاہ کا سقوط پہچانا جاتا ہے - یہی اس وقت میری نیت ، میرا مقصد اور میری آرزو ہے - اللہ میرے دل کا حال جانتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے نفس کی اور اپنے علاوہ دوسروں کی اصلاح کروں - میں نہیں جانتا کہ میں اپنی اس مراد کو پہنچوں گا یا نہیں - یا میں اُس سے اِدھر ہی ختم ہو جاؤں گا - لیکن یہ میرا یقین اور مشاہدہ ہے کہ اللہ بلند و برتر کے سوا اور کسی کی کوئی قدرت اور طاقت نہیں اور یہ جو میرے دل میں تحریک آٹھی ہے تو یہ میری طرف سے نہیں اللہ ہی اس کا محرک ہے اور میں نے جو کام کیا ہے ، وہ میں نے نہیں کیا ، بلکہ اللہ نے مجھ سے لیا ہے ، پس اُسی سے دعا کرتا ہوں کہ وہ پہلے میری اصلاح

---

۱ - قلب المؤمن بین أصبعین من أصابع الرحمان -

کرے اور پھر میرے ذریعہ دوسروں کی اصلاح کرے - اسی طرح وہ پہلے مجھے راہ ہدایت دکھائے اور پھر میرے ذریعہ دوسروں کو ہدایت دے اور یہ کہ وہ مجھے حق کو حق کی صورت میں دکھائے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق مرحمت کرے - وہ مجھے باطل کو باطل کی صورت میں دکھائے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا کرے -

اب ہم ضعف ایمان کے ان اسباب کی طرف لوٹتے ہیں جن کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں - اس سلسلے میں ہم لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کے طریقے اور انہیں ذہنی ہلاکتوں سے بچانے کا ذکر کرتے ہیں -

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے ، جو جماعت تعلیمیہ کی باتیں سن کر دین کے معاملے میں اپنی حیرت زدگی کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان کا علاج وہی ہے، جس کا ذکر ہم اپنی کتاب ''القسطاس المستقیم'' میں کر چکے ہیں - اس رسالے میں ہم اس ذکر کو طول دینا نہیں چاہتے ، باقی ہر چیز کو جائز سمجھنے والے اہل اباحت کے جو اوہام ہیں ، ہم نے ان کے اس شبہہ کا سات انواع میں احاطہ کیا ہے اور اپنی کتاب : کیمیائے سعادت میں اسے کھول کر بیان کر دیا ہے - باقی رہا وہ شخص ، جس کا ایمان فلسفہ کے ذریعہ خراب ہو گیا - یہاں تک کہ اس نے اصل نبوت کا انکار کر دیا تو اس کے لیے ہم نے حقیقت نبوت اور اس کے ضروری ہونے کا ذکر کیا ہے اور اس کی دلیل دواؤں اور ستاروں وغیرہ کی خاصیتوں کے علم کی دی ہے - یہ مقدمہ اسی غرض سے لکھا گیا ہے -

اس ضمن میں ہم نے طب اور نجوم کی خاصیتوں کے ذیل میں جو دلیل دی ہے ، وہ اس لیے دی ہے کہ یہ خود ان کا علم ہے - چنانچہ ہم مثال کے طور پر نجوم ، طب ، طبیعت ، سحر اور طلسمات کے فنون میں سے ہر فن کے عالم کو خود اسی کے فن سے ثبوت کی دلیل دیں گے - باقی جو شخص زبان سے تو نبوت کا اقرار کرے لیکن وہ شرع کے اوضاع و احکام کو حکمت کے مساوی قرار دے تو وہ یقینی طور پر نبوت کا انکار کرنے والا اور

حکمت پر ایمان رکھنے والا ہے - اُس کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے
جو اس بات کا مقتضی ہے کہ دوسرے اُس کا اتباع کریں - یہ
چیز نبوت میں سے بالکل نہیں ہے بلکہ نبوت پر ایمان لانا یہ ہے کہ
آدمی عقل سے ماوراء کسی ایسے عالم کے وجود کا اقرار کرے ،
جس میں جب آنکھ کھُلے تو اُس کے ذریعہ مخصوص مدرکات کا
ادراک ہو - اس عالم سے عقل اس طرح بے تعلق ہوتی ہے ،
جیسے قوتِ سماعت رنگوں کے ادراک سے ، نگاہ آوازوں کے ادراک
سے اور تمام حواس معقولات کے ادراک ، سے اگر یہ بات قابل قبول
نہیں تو ہم نے تو ماورائے عقل ، عالم کے امکان بلکہ
اُس کے وجود کے حق میں دلیل قائم کر دی ہے ، اور اگر
یہ (دلیل) قابل قبول ہے تو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہاں بعض
ایسے اُمور ہیں ، جنھیں خاصیتوں کا نام دیا جاتا ہے اور اُن تک
عقل کا گزر اصلاً ہو ہی نہیں سکتا بلکہ عقل تقریباً اُن کا انکار ہی
کرتی ہے اور اُن کے محال ہونے کا فیصلہ دیتی ہے - مثال کے طور
پر درہم کے چھٹے حصے یعنی دانق[1] کے وزن کے برابر افیون ایک
مہلک زہر ہے - کیوں کہ وہ اپنی برودت کی شدت کی وجہ سے
لوگوں میں خون کو جما دیتی ہے - لیکن جو شخص علمِ طبیعت
جاننے کا مدعی ہے ، اُس کا یہ کہنا ہے کہ مرکبات میں سے جو
چیز برودت کی حامل ہوتی ہے ، اُس کی یہ برودت پانی اور مٹی
کے عناصر کی وجہ سے ہوتی ہے کیوں کہ یہی دونوں عنصر برودت
رکھتے ہیں اور یہ بات جانی بوجھی ہے کہ اگر پانی اور مٹی
کے کئی رطل[2] بھی ہوں تو اُن کی برودت جسم کے اندر اس قدر
برودت پیدا نہیں کرتی - اگر ایک عالمِ طبیعیات کو یہ بتایا جائے
اور خود اُس نے اس کا تجربہ نہ کیا ہو تو وہ اس چیز کو محال
کہے گا - اس کے محال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ افیون میں آگ
اور ہوا کے عناصر ہیں اور آگ اور ہوا کے عناصر سے برودت میں
اضافہ نہیں ہوتا - اگر ہم یہ فرض کریں کہ ساری کی ساری افیون
پانی اور مٹی ہے تو پھر بھی اُس میں اتنی زیادہ برودت کا ہونا

---

۱ - چھ رتی کے برابر وزن -
۲ - ایک رطل کوئی آدھ سیر وزن ہوتا ہے -

واجب نہیں ہوتا اور اگر اس کے ساتھ آگ کے دو عنصر ملے ہوئے ہوں تو ایسا ہونا اور بھی کم واجب ہوگا ۔ عالم طبیعیات اسی بات کو دلیل قرار دیتا ہے ۔

طبیعیات اور الہیات میں فلسفیوں کی اکثر دلیلیں اسی قبیل کی ہوتی ہیں ۔ بے شک وہ امور کا تصور جیسے کہ وہ انھیں پاتے ہیں اور عقلاً سمجھتے ہیں ، اسی کے مطابق کرتے ہیں اور اگر وہ کسی چیز سے مانوس نہیں ہوتے تو اس کے محال ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں ۔ خواب دیکھنے کا معاملہ جانا پہچانا نہ ہوتا اور کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا کہ جب حواس کا عمل رک جاتا ہے تو وہ غیب کی باتیں جان لیتا ہے تو اس قسم کی عقلوں سے متصف لوگ اس کا انکار کر دیتے ۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو یہ کہا جائے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز ہو جو ایک دانے کے برابر ہو اور اسے کسی شہر میں رکھا جائے تو وہ سارے شہر کو ہڑپ کر جائے ۔ پھر وہ خود اپنے آپ کو بھی ہڑپ کر جائے اور پھر شہر اور شہر میں جو کچھ ہے ، اس میں سے کوئی شے نہ رہنے دے ۔ یہاں تک کہ وہ خود بھی باقی نہ رہے ، لازماً یہ شخص ایسی چیز کا ہونا محال بتائے گا اور اسے منجملہٗ خرافات کہے گا ۔ لیکن یہ آگ ہے اور جس شخص نے اسے دیکھا نہیں بلکہ اس کے بارے میں سنا ہی ہے ، وہ یقیناً اس کے وجود کا انکار کرے گا ۔

آخرت کی زندگی کے عجائبات کا انکار اکثر و بیشتر اسی قبیل سے ہوتا ہے ۔ پس ہم عالم طبیعیات سے کہیں گے کہ تم اس پر تو مجبور ہو گئے کہ تم یہ کہو کہ افیون میں برودت کی خاصیت طبیعیات کے کسی عقلی قیاس پر مبنی نہیں ہے ۔ لیکن اگر یہ واقعہ ہے تو پھر یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ دلوں کی اصلاح اور ان کے تزکیہ کے سلسلے میں شریعت کے اوضاع و احکام میں ایسی خاصیتیں ہوں ، جن کا حکمت عقلی سے ادراک نہ ہو سکے ۔ بلکہ انھیں صرف نبوت ہی کی نظر سے دیکھا جا سکے اور تو اور انھوں نے اس سے بھی عجیب تر چیزوں کی خاصیتوں کا اعتراف

کیا ہے اور اس کا انھوں نے اپنی کتابوں میں ذکر بھی کیا ہے
اور وہ چیز یہ ہے کہ جس حاملہ عورت کو بچہ جننے میں
رکاوٹ پیش آ جائے تو مندرجہ ذیل نقوش سے اس کا علاج کیا جاتا
ہے اور ان میں مجرّب اور عجیب و غریب خاصیتیں ہیں ۔

د	ط	ب
ج	ہ	ز
ح	ا	و

۴	۹	۲
۳	۵	۷
۸	۱	۶

ان نقوش کو ایسے دو کپڑے کے ٹکڑوں پر لکھا جاتا ہے،
جو پانی سے بھیگے ہوئے نہ ہوں ۔ انھیں حاملہ عورت خود اپنی
آنکھ سے دیکھتی ہے اور پھر ان کو اپنے دونوں پیروں کے نیچے
رکھتی ہے ۔ اس سے فوراً بچے کی ولادت عمل میں آ جاتی ہے ۔
انھوں نے اس امر کے امکان کا اقرار کیا ہے اور اس کا ذکر کتاب
عجائب الخواص میں کیا ہے ۔ ایک نقش میں نو خانے ہیں ، جن
میں چند مخصوص اعداد لکھے جاتے ہیں ۔ ایک طرف کے خانوں کے
مجموعی اعداد مل کر پندرہ کا عدد بنتا ہے ۔ تم انھیں طول میں
پڑھو ، عرض میں پڑھو یا اطراف سے پڑھو ، وہ مل کر پندرہ کا
عدد بنائیں گے ۔

کاش میں جانتا کہ وہ کون سا شخص ہے، جو نقوش کی تاثیر
کی تو تصدیق کرتا ہے ۔ لیکن اُس کی عقل میں اِتنی وسعت نہیں
کہ وہ اس بات کی تصدیق کرے کہ صبح کی نماز میں دو رکعتوں ،
ظہر کی نماز میں چار رکعتوں اور نماز مغرب میں تین رکعتوں کا
مقدر کیا جانا حکمت کی نظر میں غیر معلوم خاصیتوں کے لیے ہے
اور اس کا سبب اِن نمازوں کے اوقات کا اختلاف ہے ، اور یہ کہ
اِن خاصیتوں کا ادراک صرف نور نبوت ہی سے ہو سکتا ہے ۔

تعجب یہ ہے کہ اگر ہم اس کو نجومیوں کے پیرایۂ بیان میں تبدیل کریں تو وہ ان اوقات کے اختلاف کو ان کی خاصیتوں کے اختلاف کی علت ثابت کر دیں گے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اگر آفتاب وسطِ آسمان میں ہو۔ یا وہ طلوع ہو رہا ہو یا غروب ہو رہا ہو تو کیا اس سے زائچہ کے حکم میں اختلاف نہیں ہوتا۔ نجومی اس اختلاف کو تو یہاں تک مانتے ہیں کہ وہ اِسے بیماریوں کے علاج میں اختلاف اور لوگوں کی عمروں اور موتوں میں تفاوت کی بنیاد بناتے ہیں۔ یہ بات کہ زوال آفتاب اور آفتاب کے وسطِ آسمان میں ہونے، اور اُس کے مغرب کے وقت ڈوب جانے اور اُس کے رُوبہ غروب ہونے میں کوئی فرق نہیں، کیا اسے تسلیم کرنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت ہے کہ ایک آدمی اس بات کو نجومی کی زبان میں سنے۔ ہو سکتا ہے کہ اُسے اُس نجومی کے سو جھوٹوں کا تجربہ ہو چکا ہو لیکن اس کے باوجود وہ آدمی نجومی کے بیان کی برابر تصدیق کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اگر نجومی اُسے یہ کہے، کہ جب آفتاب وسطِ آسمان میں ہو۔ فلاں کوکب اُس کے مقابل ہو اور فلاں برج طلوع پذیر ہو، اگر تم نے اس وقت نئے کپڑے پہنے تو ہو سکتا ہے تمہیں سخت سردی لگے بہت ممکن ہے کہ وہ آدمی ایک ایسے نجومی سے یہ بات سنے، جس کی کذب بیانی کو وہ کئی بار جان چکا ہو۔

کاش میں یہ جانتا کہ کیا ایک آدمی کی عقل میں اتنی وسعت ہو سکتی ہے کہ وہ اِن عجیب و غریب چیزوں کو قبول کر لے اور وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائے کہ یہ ایسی خصوصیتیں ہیں، جن کا جاننا بعض انبیاء تک کے لیے معجزے کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ ان جیسی چیزوں کا، جنہیں وہ ایک سچے نبی کے اقوال کے ضمن میں سنتا ہے، کیسے انکار کرتا ہے اور اُس نبی کی تائید معجزات سے ہوتی ہے اور اس سے کبھی جھوٹ منسوب نہیں ہوا۔ اگر فلسفی نمازوں میں رکعتوں کی تعداد، حج کے موقعہ پر کنکریوں کے پھینکنے، ارکان حج کی تعداد اور دوسری شرعی عبادتوں کی امکانی خصوصیات سے انکار کرتا ہے تو اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ ان میں اور دواؤں

اور ستاروں کی خصوصیات میں اصلاً کوئی فرق نہیں ۔ اگر وہ کہے
کہ میں نے ستاروں اور طب کا تھوڑا سا تجربہ کیا ہے اور
پس میں نے ان کی بعض چیزیں سچی پائی ہیں ۔ جس کی وجہ میرے
اندر انھیں ماننے کا خیال ابھرا اور ان چیزوں کا بعید از واقع
ہونا اور ان سے نفرت میرے دل سے جاتی رہی ۔ لیکن میں نے نماز
میں رکعتوں کی تعداد وغیرہ کی خصوصیات کا تو تجربہ نہیں کیا ۔
پس میں ان کے موجود اور حقیقی ہونے کو کیسے جان سکتا ہوں ،
خواہ میں ان کے امکان کا اقرار بھی کر لوں ۔ پس اس کے جواب
میں یہ کہتا ہوں کہ تم صرف انھی باتوں کی تصدیق نہیں
کرتے جن کا تم نے خود تجربہ کیا ہے اور دوسروں کے تجربوں
کی باتیں سن کر ان کی بھی تقلید کرتے ہو ۔ جب واقعہ یہ ہے
تو تم انبیاء کے اقوال سنو ۔ بے شک انھوں نے ان امور کا تجربہ
کیا ہے اور جو کچھ بھی شریعت میں وارد ہوا ہے ، ان سب کا
انھوں نے مشاہدہ کیا اور انھیں حق پایا ہے ۔ تم ان کے راستے
پر چلو اور جو کچھ میں کہ رہا ہوں تم خود مشاہدہ کرکے اس کا
ادراک کر لو گے ۔ اگر تم نے اس کا تجربہ نہیں بھی کیا تو خود
تمھاری عقل اس کی تصدیق اور پیروی کرنے کے حق میں
فیصلہ دے گی ۔

اگر ہم یہ فرض کریں کہ ایک آدمی ہے ، جو بالغ اور
صاحب عقل ہے اور اسے بیماری کا کوئی تجربہ نہیں ۔ وہ بیمار ہو جاتا
ہے ۔ اس کا والد بڑا مشفق اور حاذق طبیب ہے ، یہ آدمی جب
سے اس نے ہوش سنبھالا ہے ، طب میں اپنے والد کے علم و معرفت
رکھنے کے دعوے سن رہا ہے ۔ چنانچہ اس کا والد ایک دوا تیار
کرتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ یہ دوا تمھاری بیماری کے لیے
مفید ہے اور یہ تمھیں تمھاری اس علالت میں شفا دے گی ۔ سوال
یہ ہے کہ اِس صورت میں اس آدمی کی عقل کیا تقاضا کرے
گی ؟ ۔ اگر یہ دوا کڑوی اور بد مزہ ہے تو کیا وہ آدمی
اسے کھائے گا ۔ یا وہ اس کو جھٹلائے گا اور کہے گا کہ میں اس
بیماری سے شفا کے حصول کے لیے اس دوا کو مناسب نہیں سمجھتا ۔
اور میں نے پہلے اس کا تجربہ بھی نہیں کیا ۔ اس میں شک نہیں کہ

اگر وہ ایسا کرے تو تم اس کو احمق سمجھو گے۔ اسی طرح شرعی عبادات کی خصوصیتیں تسلیم کرنے میں تمھارے اس پس و پیش پر اہل بصیرت تمھیں احمق سمجھیں گے۔

اگر تم یہ کہو میں نبی علیہ السلام کی شفقت اور اس طب سے آپؐ کی معرفت کیسے پہچانوں تو میں کہوں گا کہ آخر تم نے اپنے باپ کی شفقت کیسے پہچانی۔ حالانکہ وہ کوئی محسوس چیز بھی نہیں۔ ظاہر ہے تم نے اپنے والد کے حالات کے قرائن اور مختلف مواقع و اوقات میں اُس کے اعمال و افعال کو دیکھ کر جانا پہچانا اور اسی کے نتیجے میں تمھیں ایسا علم حاصل ہوا، جس میں تم شک نہیں کرتے۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر نیز جو کچھ احادیث میں وارد ہوا، اس پر نظر ڈالے گا اور دیکھے گا کہ آپؐ مخلوق کو رشد و ہدایت دینے میں کس قدر اہتمام فرماتے تھے اور کیسے نرمی اور لطف و محبت سے لوگوں کو اخلاق بہتر کرنے۔ اور آپس کی کدورتوں کو دور کرنے کی طرف خوش اسلوبی کے ساتھ لے جاتے تھے اور یہ سب امور ایسے تھے کہ ان کا مقصد مجموعی طور پر سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ لوگوں کے دین اور دنیا کی اصلاح ہو، تو اسے اس امر کا ضروری علم حاصل ہوگا کہ اپنی اُمت کے ساتھ آپؐ کی شفقت، ایک والد کو اپنے بیٹے کے ساتھ جو شفقت ہوتی ہے، اُس سے کہیں زیادہ تھی، اگر ایک شخص اُن عجیب و غریب واقعات کو جن کا آپؐ کی ذات سے ظہور ہوا اور عالم غیب کی اُن عجیب و غریب چیزوں کو جن کو قرآن نے آپؐ کی زبان مبارک سے خبر دی اور جو کہ احادیث میں مروی ہیں، نیز اُن چیزوں کو، جن کے آخری زمانے میں ہونے کا آپؐ نے ذکر کیا، غرض جو شخص ان چیزوں پر نظر ڈالے گا تو اس پر جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا حقیقت ظاہر ہو جائے گی اور وہ یہ بات یقینی طور پر جان لے گا کہ آپؐ اس مقام پر فائز تھے، جو عقل سے ماوراء ہے اور آپؐ کے لیے وہ آنکھ وا ہو گئی تھی، جس کے ذریعے غیب کا انکشاف

ہوتا ہے اور اس غیب کا ادراک سوائے خواص کے اور کوئی نہیں کر سکتا اور ان آمور کو عقل بھی ادراک نہیں کر سکتی -

نبی علیہ السلام کو سچا ماننا اور آپؐ کی تصدیق کرنا - یہ ہے طریقہ علم ضروری و یقینی حاصل کرنے کا - پس تم اس کا تجربہ کرو - قرآن میں غور و فکر کرو - احادیث کا مطالعہ کرو - تم اس چیز کو آنکھوں سے دیکھ لو گے -

فلسفہ کے مدعیوں کی تنبیہ کے لیے جو کچھ کہا گیا ، وہ کافی ہے - ہم نے اس کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ اِس زمانے میں اس چیز کی اشد ضرورت ہے -

جن اسباب کی وجہ سے لوگوں کی مختلف اصناف کا ایمان اس حد تک کمزور ہو گیا ہے ، آن اسباب میں سے چوتھا سبب یہ ہے کہ خود علماء کی سیرت و عادات کی بگاڑ سے لوگوں کے ایمان میں کمزوری آ گئی ہے - پس اس مرض کا علاج تین طریقوں سے ہونا چاہیے -

آن میں سے ایک یہ ہے کہ تم یہ کہو کہ وہ عالِم ، جس کے بارے میں تمھارا یہ گمان ہے کہ وہ حرام کھاتا ہے ، آس کا شراب پینے ، خنزیر و سؤر کھانے سے لے کر غیبت ، جھوٹ اور چغلی کھانے تک حرام جاننا اور اس کے باوجود ان کا ارتکاب کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ تم ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہو اور پھر بھی کرتے ہو - اس لیے نہیں کہ تمھیں ان کے گناہ و معصیت ہونے پر ایمان نہیں بلکہ یہ اس لیے ہے کہ تم پر تمھاری شہوت غالب آ گئی اور تم نے ان چیزوں کا ارتکاب کیا - تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ آس عالم کی شہوت بھی تمھاری شہوت ہی کی طرح ہے اور وہ آس پر اِسی طرح غالب آ گئی ، جیسے یہ تم پر غالب آ گئی - چنانچہ آس عالم کا اِن چیزوں کے حرام ہونے کو جاننے کے علاوہ دوسرے مسائل کا علم رکھنا ، جس کی وجہ سے وہ تمھارے مقابلے میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے ، اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ آس عالم کو ان حرام چیزوں کے کرنے پر زیادہ زجر و توبیخ کی جائے -

بعض ایسے لوگ ہیں ، جو طب پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ پھل کھا کر ٹھنڈا پانی پینے سے باز نہیں رہتے ۔ اگرچہ طبیب نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا ہوتا ہے ۔ یہ بات اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ ایسا کرنا مضرت بخش نہیں ۔ یا یہ کہ ایسا کرنے والوں کا طب پر جو ایمان ہے ، وہ غیر صحیح ہے ۔ علماء کی لغزشیں اسی قبیل میں آتی ہیں ۔

اس مرض کے علاج کا دوسرا طریقہ یہ ہے :۔ کسی عاصی سے یہ کہا جائے کہ تمھیں چاہیے کہ تم یہ مانو کہ اُس عالم نے اپنے علم کو آخرت کے لیے اپنا زاد راہ بنایا ہے ۔ اُس کا یہ خیال ہے کہ اُس کا علم آخرت میں اُسے نجات دلائے گا اور اُس کے لیے شفاعت کا موجب ہوگا ۔ اسی لیے اُس نے اپنے علم کی فضیلت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے اعمال میں تساہل برتا ۔ اب اگر اُس کا حرام چیزوں کے حرام ہونے کا علم رکھنے کے باوجود اُن کا ارتکاب کرنا اُس کے خلاف ایک مزید حجت ہو سکتا ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ یہ اُس کے حق میں بھی ایک مزید حجت ہو ۔ اور ایسا ہونا ممکن ہے ۔ چنانچہ اگر وہ عالم ترکِ عمل کا مرتکب ہوتا ہے تو اس صورت میں بھی علم کی وجہ سے اُس کے ساتھ نرمی ہو سکتی ہے ۔ لیکن اے عاصی ! اگر تم نے اُس کو دیکھا اور عمل چھوڑ دیا اور تم علم سے تو پہلے ہی عاری ہو تو تم اپنے برے اعمال کی وجہ سے ہلاک ہو گے اور تمھارا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا ۔

علاج کا تیسرا طریقہ یہ ہے :۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک حقیقی عالم گناہ کا ارتکاب لغزش کی وجہ سے کرتا ہے اور وہ گناہوں پر اصلاً اصرار نہیں کرتا ، اب جب علم حقیقی یہ بتاتا ہے کہ گناہ ایک مہلک زہر ہے ، اور یہ کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے تو جو شخص یہ جانتا ہے ، وہ کبھی ایک بہتر چیز کو ادنیٰ چیز کی خاطر نہیں بیچے گا ۔ یہ جو علم ہے ، وہ اُن علوم کی انواع و اقسام سے حاصل نہیں ہوتا جن میں اکثر لوگ مشغول ہیں

اس لیے ان علوم سے اُن کے اندر اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی کی جرأت زیادہ ہوتی ہے - باقی رہا علم حقیقی تو اس سے اس علم کے حامل کے اندر خشیت و خوف اور آرزو و امید زیادہ ہوتی ہے اور یہ اُس کے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جاتی ہے - بے شک لغزشوں کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے اور وقتاً فوقتاً انسان ان کا نشانہ بنتا ہی ہے چنانچہ یہ چیز ایمان کی کمزوری پر دلالت نہیں کرتی - مؤمن فتنے اور آزمائش میں پڑتا ہے اور پھر توبہ کر لیتا ہے - وہ گناہوں پر نہ تو اصرار کرتا ہے اور نہ اُن کا ہو کر رہ جاتا ہے -

فلسفہ ، تعلیمیہ اور اُن دونوں کی آفتوں اور اُن لوگوں کی آفتوں کی جو اُن کا انکار کرتے ہیں لیکن اس طریقے پر نہیں ، مذمت کرنے کا جو میں نے ارادہ کیا تھا ، وہ پورا ہو گیا -

ہم خدائے بزرگ و بر تر سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اُن لوگوں میں شامل کرے جنھیں اُس نے ترجیح دی اور منتخب کیا - اُنھیں حق کی ہدایت دی اور سیدھا راستہ دکھایا - اُن کو اپنے ذکر کا اس طرح الہام کیا کہ وہ اسے کبھی نہ بھولیں گے - اُنھیں اُن کے نفوس کے شر سے بچایا یہاں تک کہ وہ اُس کے مقابلے میں کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتے - اُس نے اُن کو اپنے لیے خاص طور سے چن لیا یہاں تک کہ وہ اُس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے -

فہرس الآیات القرآنیہ

فہرس الأحادیث الشریفہ

اشاریہ

اسلام - مقالات

مضمون

مترجم

TALĀSH I ḤAQQ

BY

IMĀM ABŪ ḤĀMID AL-GHAZĀLĪ

TRANSLATED BY

KHĀLID ḤASAN QĀDIRĪ

PUBLISHED BY

THE AUQAF DEPARTMENT,
PUNJAB, LAHORE.

1971

تلاشِ حق

تالیف

امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی

ترجمۃ

خالد حسن قادری

محکمۂ اوقاف ، پنجاب
لاہور
۱۹۷۱ء